Globethics Repository

Kitab al-Tauhid (Volume 2 Part 3)

This page was generated automatically upon download from the Globethics Repository. More information on Globethics see https://www.globethics.net. Data and content policy of Globethics Repository see https://repository.globethics.net/pages/policy.

Item Type	Book
Authors	Al-Qodiri, Muhammad Thohir
Publisher	Manshurat Minhaj al-Quran
Rights	With permission of the license/copyright holder
Download date	2026-07-01 03:22:28
Link to Item	http://hdl.handle.net/20.500.12424/186316

باب سوم

توحید اور اِستعانت و اِستغاثہ

فصل اَوّل: اِستعانت و اِستغاثہ کا صحیح معنی و مفہوم

فصل دوم: بعد اَز وصال اِستعانت و اِستغاثہ

فصل سوم: اَنبیاء و اَولیاء سے اِستعانت و اِستغاثہ

www.MinhajBooks.com

فصل اَوّل

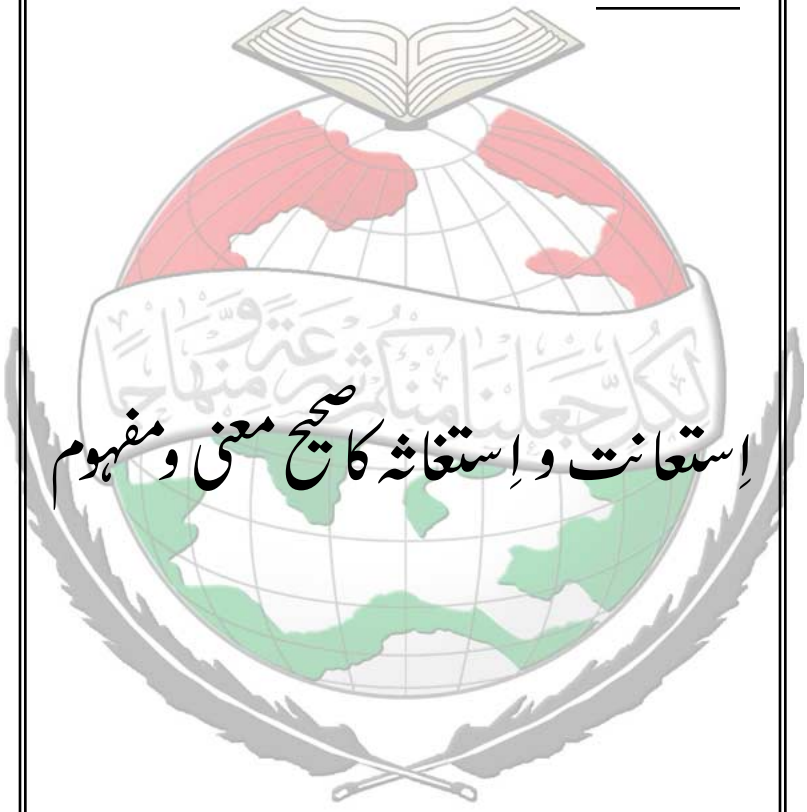

اِستعانت و اِستغاثہ کا صحیح معنی و مفہوم

www.MinhajBooks.com

دنیوی، دینی اور روحانی اعتبار سے ایک دوسرے کی مدد کرنا اِسلامی معاشرتی آداب و اخلاق کا حصہ ہے۔ اِسلام نے اہلِ ایمان کو تلقین کی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد و اِعانت کریں۔ اللہ ﷻ نے ایک دوسرے کی مدد و استعانت کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ○(۱)

’’اور نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم (کے کام) پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ (نافرمانی کرنے والوں کو) سخت سزا دینے والا ہے○‘‘

اس طرح مدد و استعانت وہ طریقہ اور طرزِ عمل ہے جو نہ صرف جائز بلکہ اسلامی ضابطۂ حیات کا لازمی تقاضا ہے۔ اِستعانت اور اِستمداد کے اس عمل کو شرک قرار دینا اِسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔

اِستغاثہ کا لُغوی معنی و مفہوم

لفظ اِستغاثۃ کا مادۂ اِشتقاق ’’غ، و، ث‘‘ (غوث) ہے جس کے معنی ’’مدد‘‘ کے ہیں، اور اِستغاثۃ کا مطلب ’’مدد طلب کرنا‘‘ ہے۔ اِمام راغب اِصفہانی اِستغاثہ کا لُغوی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

(۱) القرآن، المائدۃ، ۵: ۲

الغَوثُ: يُقالُ فی النُّصرَةِ، والغَيثُ: فی المطَرِ، وَاسْتَغَثْتُهُ: طَلَبْتُ الغَوْثَ أو الغَيْثَ۔ (۱)

"غَوث کے معنی "مدد" اور غَیث کے معنی "بارش" کے ہیں اور اِستغاثہ کے معنی کسی کو مدد کے لئے پکارنے یا اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کرنے کے ہیں۔"

لفظِ اِستغاثہ کا اِستعمال قرآنِ مجید میں متعدّد مقامات پر ہوا ہے۔ غزوۂ بدر کے موقع پر صحابہ کرام کی اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کا ذکر سورۂ انفال میں یوں وارِد ہوا ہے:

إِذْ تَسْتَغِيْثُونَ رَبَّكُمْ۔ (۲)

"جب تم اپنے رب سے (مدد کے لئے) فریاد کر رہے تھے۔"

سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے اُن کی قوم کے ایک فرد کا مدد مانگنا اور آپ کا اُس کی مدد کرنا، اِس واقعہ کو بھی قرآنِ مجید نے لفظِ اِستغاثہ ہی کے ساتھ ذِکر کیا ہے۔ سورۃ القصص میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ۔ (۳)

"تو جو شخص اُن کی قوم میں سے تھا اس نے دوسرے شخص کے مقابلے میں جو موسیٰ کے دُشمنوں میں سے تھا موسیٰ سے مدد طلب کی۔"

اَہلِ لُغت کے نزدیک اِستغاثہ اور اِستعانت دونوں اَلفاظ مدد طلب کرنے کے معنی میں آتے ہیں۔ اِمام راغب اصفہانی لفظِ استعانت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

www.MinhajBooks.com

(۱) راغب اصفهانی، المفردات في غريب القرآن: ۶۱۷
(۲) القرآن، الانفال، ۸: ۹
(۳) القرآن، القصص، ۲۸: ۱۵

وَالاسْتِعَانَةُ: طَلَبُ العَونِ۔[1]

''استعانت کا معنی: مدد طلب کرنا ہے۔''

لفظِ اِستعانت بھی قرآن مجید میں طلبِ عون کے معنی میں اِستعمال ہوا ہے۔ سورۂ فاتحہ میں بندوں کو آدابِ دُعا سکھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ○[2]

''اور ہم تجھی سے مدد چاہتے ہیں○''

اِستغاثہ کا شرعی مفہوم

اِسلام دینِ فطرت ہے سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر نبیٔ آخر الزماں ﷺ تک تمام انبیاء علیہم السلام کا دِین اِسلام رہا ہے۔ عقیدۂ توحید تمام انبیاء علیہم السلام کی شرائع میں بنیادی اور یکساں اہمیت کا حامل ہے۔ شریعتِ مصطفوی ﷺ سمیت کسی بھی شریعت کی تعلیمات کے مطابق اَللہ ربّ العزّت کے سِوا حقیقی مددگار کوئی نہیں جبکہ مخلوق سے مجازاً مدد طلب کرنا شرعاً جائز ہے۔ عرب اَہلِ لُغت اور مفسرینِ قرآن کی تصریحات کے مطابق اِستغاثہ کا معنی مدد طلب کرنا ہے، جس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ اِستغاثہ بالقول

۲۔ اِستغاثہ بالعمل

مُشکل حالات میں گھرا ہوا کوئی شخص اگر اپنی زبان سے اَلفاظ و کلمات اَدا کرتے ہوئے کسی سے مدد طلب کرے تو اِسے اِستغاثہ بالقول کہتے ہیں اور مدد مانگنے والا اپنی حالت و عمل اور زبانِ حال سے مدد چاہے تو اِسے اِستغاثہ بالعمل کہیں گے۔

---

(۱) راغب اصفهانی، المفردات في غريب القرآن: ۵۹۸

(۲) القرآن، الفاتحة، ۱: ۴

ا۔ اِستغاثہ بالقول

قرآن مجید میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کے حوالے سے **اِستغاثہ بالقول** کی مثال یوں مذکور ہے:

وَأَوْحَيْنَآ إِلٰى مُوسٰى إِذِ اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗ أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ۔(۱)

''اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس (یہ) وحی بھیجی جب اس سے اس کی قوم نے پانی مانگا کہ اپنا عصا پتھر پر مارو۔''

اِس آیتِ مبارکہ میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے پانی کا اِستغاثہ کیا گیا ہے۔ اگر یہ عمل شِرک ہوتا تو اِس مطالبۂ شِرک پر مبنی معجزہ نہ دکھایا جاتا۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی کبھی اَنبیائے کرام علیھم السلام سے خلافِ توحید کوئی مطالبہ کیا گیا تو اُنہوں نے سختی سے اُس سے منع فرمایا۔ دُوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں اَللہ تعالیٰ قومِ موسیٰ علیہ السلام کے اِستغاثہ پر خود سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اِظہارِ معجزہ کی تاکید فرما رہا ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ حقیقی کارساز تو بلا ریب اللہ عزوجل ہی ہے مگر موسیٰ علیہ السلام! کو اِظہارِ معجزہ کے لئے اپنی قدرت و طاقت کا مظہر بنایا گیا۔

۲۔ اِستغاثہ بالعمل

مصیبت کے وقت زبان سے کسی قسم کے اَلفاظ ادا کئے بغیر کسی خاص عمل اور زبانِ حال سے مدد طلب کرنا **اِستغاثہ بالعمل** کہلاتا ہے۔ قرآنِ مجید میں اِستغاثہ بالعمل کے جواز میں بھی اللہ تعالیٰ کے محبوب و مکرم انبیاء علیھم السلام کا واقعہ مذکور ہے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کی جُدائی میں اُن کے والدِ ماجد سیدنا یعقوب علیہ السلام کی بینائی کثرتِ گریہ کی وجہ سے

(۱) القرآن، الاعراف، ۷:۱۶۰

جاتی رہی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب حقیقتِ حال سے آگاہی ہوئی تو اُنہوں نے اپنا قمیض بھائیوں کے ہاتھ اپنے والدِ ماجد سیدنا یعقوب علیہ السلام کی طرف بغرضِ اِستغاثہ بھیجا اور فرمایا کہ اِس قمیص کو ان کی آنکھوں سے مَس کرنا، بینائی لوٹ آئے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اِستغاثہ و اِستعانت کا حقیقی تصور

عام معاشرتی زندگی میں بھی اکثر اوقات ضروری ہوتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے مدد طلب کریں، یہ بھی دراصل وسیلہ کی ہی ایک صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود انسان کو دوسرے انسان کی مدد کا حکم دے رکھا ہے۔ لہٰذا لازم ہے کہ افرادِ معاشرہ ایک دوسرے کے معاون و مددگار بنیں۔ قرآنِ حکیم کی رو سے جب نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنا جائز بلکہ واجب ہے تو مدد لینا کیسے ناجائز ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اگر ایک مدد دینے والا یعنی عطا کنندہ ہے تو دوسرا یقیناً مدد لینے والا یعنی وصول کنندہ ہے۔

سورۃ القصص میں اِستغاثہ کا لفظ سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے منسوب ایک واقعہ میں استعمال کیا گیا ہے، ارشادِ ربانی ہے:

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰی حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَی الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَيْهِ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ○ (۱)

''اور موسیٰ (علیہ السلام) شہرِ (مصر) میں داخل ہوئے اس حال میں کہ شہر کے باشندے (نیند میں) غافل پڑے تھے تو انہوں نے اس میں سے دو مردوں کو

(۱) القرآن، القصص، ۲۸: ۱۵

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

آپس میں لڑتے ہوئے پایا یہ (ایک) تو ان کے (اپنے) گروہ (بنی اسرائیل) میں سے تھا اور یہ (دوسرا) ان کے دشمنوں (قومِ فرعون) میں سے تھا پس اس شخص نے جو انہی کے گروہ میں سے تھا آپ سے اس شخص کے خلاف مدد طلب کی جو آپ کے دشمنوں میں سے تھا پس موسیٰ (علیہ السلام) نے اسے مکا مارا تو اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر فرمانے لگے: یہ شیطان کا کام ہے (جو مجھ سے سرزد ہوا)، بیشک وہ صریح بہکانے والا دشمن ہے○''

قرآن مجید نے یہاں جو لفظ فَاسْتَغَاثَهُ (پس اس شخص نے آپ سے مدد طلب کی) استعمال کیا ہے اس کو اِيَّاکَ نَعْبُدُ اور اِيَّاکَ نَسْتَعِيْنُ (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں) کے ساتھ ملا کر دیکھیں۔ اَلْقُرْآنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهُ بَعْضاً کے تحت استغاثہ کا جواز خود قرآن مجید سے فراہم ہوتا ہے۔ استغاثہ اگر جائز نہ ہوتا تو جس شخص نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مدد مانگی تھی اللہ تعالیٰ قرآن میں استغاثہ کی بجائے کچھ اور ارشاد فرما دیتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے براہِ راست لفظِ اِستغاثہ ارشاد فرمایا تو گویا کسی دوسرے سے مدد طلب کرنے کا جواز قرآن مجید کی نص سے ثابت ہوا۔

اِستعانت کے باب میں حقیقی و مجازی کی مفید تقسیم

بعض لوگ صرف اُمورِ عادیہ اور تحت الاسباب امور میں مدد و اِستعانت کو جائز سمجھتے ہیں اور غیر عادیہ اور فوق الاسباب اُمور میں ناجائز۔ اس حوالے سے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ کسب و خلق کا تعلق اُمورِ عادیہ و غیر عادیہ، اور ماتحت الاسباب و مافوق الاسباب دونوں کے ساتھ یکساں ہے۔ عام بندوں کے افعال میں جس طرح کسب کا تعلق اُمورِ عادیہ اور اُمور ماتحت الاسباب سے ہے اِسی طرح انبیاء و اولیاء کے افعال میں بھی کسب ہی کا تعلق اُمور غیر عادیہ اور اُمور مافوق الاسباب سے ہے۔

کسب و خلق اور نسبتِ قدرت میں حقیقت و مجاز کی تقسیم نہ کریں تو بندوں کی

طرف قدرت و اختیار کی نسبت افعالِ عادیہ اور ماتحت الاسباب اُمور میں بھی شرک ہو جائے گی اور اگر خلق و کسب کی تقسیم و امتیاز کر لیں تو یہی نسبت امورِ غیر عادیہ اور امور فوق الاسباب میں بھی شرک نہ بن سکے گی۔

اُمور ما تحت الاسباب ہوں یا ما فوق الاسباب، اَفعالِ عادیہ ہوں یا افعال غیر عادیہ، ہمیں شرک سے صرف اور صرف کسب و خلق یا حقیقی و مجازی کی تقسیم بچاتی ہے۔ اس لئے کہ ''تحت الاسباب'' یا ''فوق الاسباب'' امر مسئلہ کا محل تھا خود حل نہ تھا۔ حل تو خلق و کسب کے فرق یا حقیقی و مجازی کی تقسیم نے فراہم کیا۔ لہٰذا اس ما تحت الاسباب اور ما فوق الاسباب یا اَفعالِ عادیہ اور افعال غیر عادیہ کی تقسیم نے ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا بلکہ امکانِ شرک کا خاتمہ ہر جگہ پہلی تقسیم کی بجائے دوسری تقسیم سے ہی ہوا ہے۔ سو پہلی تقسیم جہاں بلا دلیل اور بلا حاجت وضرورت تھی وہاں غیر نافع اور غیر مفید بھی ہے۔ جب حقیقی اور مجازی کی تقسیم سے عقیدۂ توحید برقرار رہتا ہے بلکہ خود قرار پاتا ہے تو پھر سارے تصور کا اسی دوسری تقسیم ہی پر کیوں نہ انحصار کیا جائے؟

اِستعانت و استمداد کے باب میں حقیقی و مجازی کی تقسیم زیادہ واضح، پختہ اور محققانہ ہے اِسی کو علماء محققین نے اختیار کیا ہے۔ ہمارے نزدیک مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب کی تقسیم اعتقادی الجھاؤ اور بسا اوقات گمراہی کا باعث بنتی ہے۔ اس کی بجائے صحیح اور زیادہ بلیغ تقسیم حقیقی اور مجازی کی ہے۔

بعد اَز وصال اِستعانت کا مسئلہ

استعانت اور استغاثہ کے باب میں یہ اشکال بھی بعض ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے کہ زندہ اور قریب سے مدد و اِستعانت تو جائز ہے لیکن بعد از وفات یا دُور فاصلے پر موجود کسی شخص سے اِستعانت جائز نہیں۔ اس مسئلہ پر مفصل دلائل آئندہ فصول میں آ رہے ہیں۔ یہاں یہ نکتہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر استعانت عن العباد جائز ہے اور شرک نہیں تو کوئی

زندہ ہو یا وفات پا چکا ہو، قریب ہو یا بعید ہر صورت میں جائز ہے۔ اگر مطلقاً شرک ہے تو پھر حیات وممات ہر حال میں شرک ہوگی۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ جو چیز شرک قرار پائے گی اُس میں زمان ومکان اور موت وحیات کی تخصیص نہیں ہوگی۔ جو شے شرک ہو وہ ہر آدمی کے لئے ہر مقام پر اور ہر وقت شرک ہوگی۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ زندگی میں اِستعانت کی جائے تو جائز ہو بعد از وفات استعانت کی جائے تو شرک ہو جائے۔ قریب سے اِستمداد کی جائے تو درست قرار پائے اور بعید سے کی جائے تو شرک۔ اِس کی مثال تو یوں ہے جیسے کوئی کہے کہ زندہ کو سجدہ کر لیا جائے تو جائز ہے مردہ کو سجدہ کرے تو شرک ہوگا یا زندہ کے نام پر جانور ذبح کیا جائے تو جائز، مردہ کے نام پر ذبح کیا جائے تو شرک یا اسی طرح قریب کے لئے نماز پڑھے تو جائز اور دور والے کے لئے پڑھے تو شرک۔ الغرض یہ تفریق خود شرک کی دلدل میں پھنسا دیتی ہے۔

اِستعانتِ حقیقی اور مجازی میں فرق

یہ امر واضح ہے کہ حقیقی استمداد واستعانت خواہ بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ ہر طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے۔ مستعانِ حقیقی، فاعلِ حقیقی اور مؤثرِ حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ باقی انبیاء و اولیاء سب اللہ تعالیٰ کی مدد کے مظہر ہیں۔ اہلِ ایمان کو چاہیے کہ وہ ہر چیز میں دستِ قدرت کو کارفرما دیکھیں اور کسی جگہ پر بھی مستعانِ حقیقی سے غافل نہ ہوں۔ آیت ''ایاک نعبد وایاک نستعین'' سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ ہر معاملہ میں حقیقی اِستعانت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مختص ہے خواہ فوق الاسباب امور ہوں یا تحت الاسباب اُمور۔ ہر دو قسم کے کاموں میں خواہ وہ ظاہری اسباب سے وراء ہوں یا ظاہری اسباب کے تابع۔ عام لوگوں کی قدرت سے خارج ہوں یا اُن کی قدرت میں داخل، اِستعانت حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہی مختص رہتی ہے۔

بندوں کے ذریعے جو مدد و اعانت صادر ہوتی ہے وہ کسب کہلاتی ہے یعنی

بندوں کے ہاتھ پر اُمور عادیہ صادر ہوں یا غیر عادیہ، جو کچھ بھی ظاہر ہوتا ہے اِن تمام کا خالق اور موجد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ کسی کی مدد کرنے والے بندے فقط فعلِ امداد کا سبب ہوتے ہیں، مدد، نصرت اور اعانت کے خالق نہیں ہوتے۔ اس لئے ان سے استمداد اور استعانت بھی ظاہری اور مجازی ہوتی ہے حقیقی نہیں۔

بعض لوگ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے معنی سے یہ تصور اخذ کرتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت جائز نہیں اسی طرح استغاثہ بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے جائز نہیں۔ ان کا یہ استدلال تعلیماتِ قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔

قرآن حکیم میں صبر اور نماز کے ذریعے اللہ عزوجل سے مدد طلب کرنے کی تلقین کی گئی ہے یعنی صبر اور نماز بارگاہِ اِلٰہی سے حصولِ اِستعانت کا واسطہ اور ذریعہ ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ○ (۱)

’’اور صبر اور نماز کے ذریعے (اللہ سے) مدد چاہو اور بیشک یہ گراں ہے مگر (ان) عاجزوں پر (ہرگز) نہیں (جن کے دل محبتِ الٰہی سے خستہ اور خشیتِ الٰہی سے شکستہ ہیں) ○‘‘

ایک اور مقام پر اسی مضمون کو یوں بیان فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○ (۲)

’’اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے (مجھ سے) مدد چاہا کرو، یقیناً اللہ صبر

(۱) القرآن، البقرة، ۲: ۴۵

(۲) القرآن، البقرة، ۲: ۱۵۳

کرنے والوں کے ساتھ (ہوتا) ہےo‘‘

ان دو آیات میں غور طلب بات یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے براہِ راست استعانت کا حکم نہیں دیا بلکہ بواسطہ صبر وصلوٰۃ استعانت کا حکم دیا ہے۔ اگر یہ عمل توسط شرک ہوتا تو اللہ ﷻ ہرگز کسی واسطے کا ذکر نہ فرماتا۔

علامہ شبیر احمد عثمانی (م ۱۳۶۹ھ) ’’تفسیر عثمانی‘‘ میں اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> ’’اِس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اِس ذاتِ پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے۔ ہاں اگر مقبول بندے کو محض واسطۂ رحمتِ الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اِس سے کی جائے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ہی اِستعانت ہے۔‘‘(۱)

مافوق الاسباب اُمور میں اِستعانت و اِستغاثہ

جو لوگ اُمورِ عادیہ میں ظاہری اِستعانت کو جائز قرار دیتے ہیں اور غیر عادیہ میں ناجائز، ان کا یہ تصور قرآنی تصریحات کے منافی ہے۔ ذیل میں ہم قرآن حکیم سے کچھ مثالیں درج کر رہے ہیں جن سے فوق الاسباب اُمور میں استعانت واستغاثہ کا ثبوت ملتا ہے:

۱۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی کا لوٹ آنا

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدِ گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی کی بحالی کے لئے اپنی قمیص بھیجی اور اُنہوں نے اپنی آنکھوں پر رکھی تو بینائی لوٹ آئی۔ یہ مدد و اعانت ماتحت الاسباب نہیں بلکہ مافوق الاسباب یعنی غیر عادی اُمور میں استعانت وتوسل

(۱) شبیر احمد، تفسیر عثمانی، ۱:۵۲

تھا جسے قرآنِ حکیم نے بیان کیا ہے۔ ماتحت الاسباب مدد و اعانت تو آنکھوں کا علاج اور آپریشن ہے۔ بینائی چلی جائے تو سرجری سے ٹھیک ہوتی ہے اسے قمیص سے ٹھیک کرنا مافوق الاسباب مدد و اعانت کے علاوہ اور کیا ہے؟ سیدنا یوسف علیہ السلام کی طرف سے دی جانے والی قمیص کے ساتھ ان کا قول قرآن حکیم نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

۱۔ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا. (۱)

’’میرا یہ قمیص لے جاؤ، سو اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دینا، وہ بینا ہو جائیں گے۔‘‘

۲۔ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ج قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ○ (۲)

’’پھر جب خوشخبری سنانے والا آ پہنچا اس نے وہ قمیص یعقوب (علیہ السلام) کے چہرے پر ڈال دی تو اسی وقت ان کی بینائی لوٹ آئی، یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا: کیا میں تم سے نہیں کہتا تھا کہ بیشک میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے○‘‘

۲۔ سیدنا زکریا علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت

حضرت زکریا علیہ السلام نے ۹۰ سال کی عمر میں پہنچ کر جب حضرت مریم علیہا السلام کی عبادت گاہ کے توسّل مکانی سے حضورِ الٰہی میں اولاد کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹے کی بشارت دی اور پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام عطا ہوئے۔ یہ اولاد ماتحت الاسباب امر سے نہیں بلکہ مافوق الاسباب توسل سے ہوئی کیونکہ سیدنا زکریا کی عمر دائرہ اسباب سے خارج ہو چکی تھی۔

(۱) القرآن، یوسف، ۱۲: ۹۳

(۲) القرآن، یوسف، ۱۲: ۹۶

قرآن حکیم نے اس ایمان افروز واقعہ کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

۱۔ هُنَالِکَ دَعَا زَکَرِيَّا رَبَّهٗ ج قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ج اِنَّکَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ○ (۱)

''اسی جگہ زکریا (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دعا کی، عرض کیا: میرے مولا! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بیشک تو ہی دعا کا سننے والا ہے ○''

سورہ مریم میں اس دعا کا ذکر یوں ہے:

۲۔ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَکُنْ بِدُعَآئِکَ رَبِّ شَقِيًّا ○ (۲)

''عرض کیا: اے میرے رب! میرے جسم کی ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں اور بڑھاپے کے باعث سر آگ کے شعلہ کی مانند سفید ہوگیا ہے اور اے میرے رب! میں تجھ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا ○''

اللہ رب العزت نے اس توسل سے اسی وقت ان کی دعا قبول فرمائی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۳۔ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِکَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ لا اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُکَ بِيَحْيٰی مُصَدِّقًا م بِکَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ (۳)

''ابھی وہ حجرے میں کھڑے نماز ہی پڑھ رہے تھے (یا دعا ہی کر رہے تھے) کہ انہیں فرشتوں نے آواز دی: بیشک اللہ آپ کو (فرزند) یحییٰ (علیہ السلام) کی

(۱) القرآن، آل عمران، ۳: ۳۸

(۲) القرآن، مریم، ۱۹: ۴

(۳) القرآن، آل عمران، ۳: ۳۹

بشارت دیتا ہے جو کلمۃ اللہ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) کی تصدیق کرنے والا ہوگا اور سردار ہوگا اور عورتوں (کی رغبت) سے بہت محفوظ ہوگا اور (ہمارے) خاص نیکوکار بندوں میں سے نبی ہوگا○"

۴۔ قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِیَ الْکِبَرُ وَامْرَاَتِیْ عَاقِرٌ ط قَالَ کَذٰلِکَ اللّٰہُ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ○(۱)

"(زکریا علیہ السلام نے) عرض کیا: اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا؟ درآنحالیکہ مجھے بڑھاپا پہنچ چکا ہے اور میری بیوی (بھی) بانجھ ہے، فرمایا: اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے○"

اِس سے ثابت ہوا کہ جب ماتحت الاسباب کے دائرہ میں اولاد کی اُمید یکسر ختم ہوگئی تو کرامتِ مریم علیہا السلام کو دیکھ کر سیدنا زکریا علیہ السلام کے دل میں حضرت سیدہ مریم علیہا السلام کے توسل سے اُس بڑھاپے میں اولاد کی اُمید پھر سے جاگ اٹھی تب انہوں نے اس مقام پر دُعا کی اور اولاد ہوگئی۔ یہ قبولیتِ دعا مافوق الاسباب تھی نہ کہ ماتحت الاسباب۔

۳۔ ملکہ بلقیس کا تخت دربارِ سلیمانی میں

سورۂ نمل میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِکَ ج وَ اِنِّیْ عَلَیْہِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ○ قَالَ الَّذِیْ عِنْدَہٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ ط فَلَمَّا رَاٰہُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَہٗ قَالَ ھٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ○(۲)

(۱) القرآن، آل عمران، ۳: ۴۰

(۲) القرآن، النمل، ۲۷: ۳۹، ۴۰

’’ایک قوی ہیکل جن نے عرض کیا: میں اسے آپ کے پاس لا سکتا ہوں قبل اس کے کہ آپ اپنے مقام سے اٹھیں اور بیشک میں اس (کے لانے) پر طاقتور (اور) امانتدار ہوں o (پھر) ایک ایسے شخص نے عرض کیا جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا کچھ علم تھا کہ میں اسے آپ کے پاس لا سکتا ہوں قبل اس کے کہ آپ کی نگاہ آپ کی طرف پلٹے (یعنی پلک جھپکنے سے بھی پہلے) پھر جب (سلیمان علیہ السلام نے) اس (تخت) کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا (تو) کہا: یہ میرے رب کا فضل ہے o‘‘

ان آیات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ملکہ بلقیس کے تخت کو آنِ واحد میں سینکڑوں میلوں کی مسافت سے منتقل کر دینا ایک تو آصف بن برخیا کی وہ کرامت تھی کہ قوی ہیکل جن بھی بے پناہ طاقت کے باوجود اِس پر قادر نہ ہو سکا۔ دوسری قابل غور چیز یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خلافِ عادت اور فوق الاسباب کام کو اہلِ دربار سے طلب کیا، اس لیے آصف بن برخیا کا آنِ واحد میں مسافتِ بعیدہ سے تخت کو اُٹھا کر پیش کر دینا ماتحت الاسباب نہ تھا بلکہ فوق الاسباب اعانت اور خدمت تھی۔ یہاں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ فوق الاسباب امور میں مدد و اعانت اور تصرف صرف انبیاء و رسل عظام علیہم السلام کے ساتھ ہی مختص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ شان اولیاء اللہ کو بھی حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ آصف بن برخیا کے عمل سے ثابت ہے کہ ایک اولوالعزم نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ نے ایک ولی آصف بن برخیا کو خرقِ عادت کام سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائی تاکہ ایک امتی اور غیر نبی کی کرامت کو ثابت کر دیا جائے۔

ائمہ متکلمین نے بھی اِس آیت سے کراماتِ اولیاء پر استشہاد اور اِستدلال کیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے سابقہ نبیوں کی اُمتوں کے اَولیاء کو فوق الاسباب اُمور پر تصرف کی قدرت عطا کی ہے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کے اولیاء کو یہ تصرف کیوں حاصل نہ ہوگا ؟

۴۔ روزِ قیامت حضور ﷺ سے اِستعانت کا منظر

گزشتہ باب شفاعت میں تفصیل کے ساتھ میدانِ حشر میں حضور نبی اکرم ﷺ کی امت کے لئے شفاعت کا بیان گزر چکا ہے کہ روزِ محشر سب لوگ مل کر جمیع انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس مدد طلب کرنے کے لئے جائیں گے۔ صحیح بخاری میں فاستغاثوا (مدد طلب کریں گے) کے الفاظ مذکور ہیں، کیا یہ مدد طلبی ماتحت الاسباب ہوگی یا مافوق الاسباب؟ کیونکہ اسباب تو سارے ختم ہو چکے ہوں گے، جملہ مخلوق کے لئے صرف حضور ﷺ کی شفاعت ہی مدد و اعانت کا سبب ہوگی۔

روزِ قیامت جب نفسا نفسی کا عالم ہوگا، سب کا جمع ہو کر انبیاء کے پاس طلب مدد کے لئے جانا مسئلہ استعانت پر اس قدر عظیم اجماع ہے جس میں سب انبیاء عظام اور سب اُمم شریک ہیں اور کسی ایک کا بھی اختلاف نہیں۔ خود خدائے لم یزل کا دربارِ حشر بھی بپا ہے۔ نہ اِدھر سے کوئی روک ہے نہ انبیاء علیہم السلام کی طرف سے کوئی ٹوک۔ ایسا عظیم اِجماع کسی مسئلہ پر واقع نہ کبھی ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ بڑے سے بڑا اجماع بھی اجماعِ صحابہ یا اجماعِ امت ہوتا ہے مگر روزِ قیامت مسئلہ اِستعانت و شفاعت پر اجماعِ انبیاء اور اجماعِ اُمم واقع ہوگا اور اس کو تائیدِ الٰہی بھی حاصل ہوگی۔ قیامت کے دن سے بڑھ کر ہولناک اور رنج و الم کا دن اور کیا ہوگا اور اس دن کی اندوہناکی میں مدد طلبی مافوق الاسباب استعانت ہی تو ہے اس لئے کہ ظاہری اسباب کی دنیا ختم ہو چکی۔ دنیا میں دعا سے مافوق الاسباب مدد ہوتی تھی اب وہ بھی نہ رہی۔ عالمِ آخرت میں جو مدد ہوگی اسے حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی لفظ استعانت اور استغاثہ ہی سے موسوم فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضي الله عنهما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الشَّمْسَ تَدْنُوْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ، حَتّٰى يَبْلُغَ الْعَرَقُ نِصْفَ الْاُذُنِ، فَبَيْنَا

هُمْ كَذَلِكَ اسْتَغَاثُوْا بِاٰدَمَ ثُمَّ بِمُوْسٰی، ثُمَّ بِمُحَمَّدٍ۔(۱)

’’قیامت کے روز سورج لوگوں کے قریب آجائے گا یہاں تک کہ پسینہ نصف کانوں تک پہنچ جائے گا، سارے لوگ اسی حالت میں آدم (علیہ السلام) سے مدد طلب کریں گے، پھر موسیٰ (علیہ السلام) سے پھر محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے۔‘‘

معلوم ہوا کہ جب سورج انتہائی قریب ہوگا اور سب لوگ پسینے میں غرق ہوں گے تو تمام اُمتیں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام سے اِستغاثہ کریں گی پھر دیگر انبیاء علیہم السلام اور بالآخر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد کی خواستگار ہوں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں شفاعت کا لفظ نہیں بلکہ استعانت و استغاثہ کا لفظ اِستعمال فرمایا ہے۔ اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کسی اور سے مدد طلب کرنا، ناجائز اور شرک ہوتا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زبان مبارک سے یہ الفاظ استعمال نہ فرماتے اور نہ ہی اللہ جل جلالہ روزِ قیامت اس کی اجازت دیتا۔

اِستعانت و اِستغاثہ بمعنی توکل ہو تو شرک ہے

ذہن نشین رہے کہ وہ اِستغاثہ جو اِستعانت و اِستمداد کے معنی میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منشا اور حکم کے خلاف بمعنی توکل ہو تو وہ شرک اور ممنوع ہے۔ لیکن اگر توسل و شفاعت کیلئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اذن اور اَمر کے ساتھ اور اس کی رضا جوئی کیلئے ہو تو یہ استعانت و استغاثہ بمعنی توسل تمام امور میں جائز ہے۔ قرآن میں دعا یدعو کی جو تین قسمیں بیان ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک قسم مطلقاً ناجائز ہے جو کہ عبادت کے معنٰی میں ہے دعوت اور ندا مطلقاً جائز ہے جو استغاثہ کی صورت ہے۔ اگر وہ اللہ جل جلالہ کے امر کے خلاف ہے تو شرک ہے اور اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اِذن کے تابع اور مومنین کے لئے

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب من سأل الناس تکثرًا، ۲:۵۳۶، رقم: ۱۴۰۵

۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۸:۳۱۰، رقم: ۸۷۲۵

توسلاً ہے تو اس کے جائز ہونے میں کوئی اَمر مانع نہیں۔

اِمام بخاریؒ کا عقیدۂ اِستعانت

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا حدیث پر مشتمل باب کو جس ترتیب اور عنوان کے تحت درج کیا ہے اِس سے مسئلہ اِستعانت و اِستغاثہ کے جواز پر خود ان کا اپنا عقیدہ نکھر کر سامنے آ جاتا ہے۔

۱۔ امام بخاری نے ''الصحیح'' کی کتاب الزکوٰۃ میں الإسْتِعْفَاف عَنِ الْمَسْئَلَة (دوسروں سے سوال کرنے سے بچنا) کے عنوان سے باب قائم کیا ہے، پھر اِس باب کے تحت اِسی موضوع پر احادیث کو جمع کرتے ہوئے روایت کرتے ہیں:

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ وَسَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ: اَنَّ حَكِيْمَ بْنَ حِزَامٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَأَعْطَانِي، ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِي، ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِي، ثُمَّ قَالَ يَا حَكِيْمُ، إِنَّ هَذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ، فَمَنْ أَخَذَهُ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُوْرِكَ لَهُ فِيْهِ، وَ مَنْ أَخَذَهُ بِإِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيْهِ، كَالَّذِي يَأْكُلُ وَ لَا يَشْبَعُ، اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى. قَالَ حَكِيْمٌ: فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، لَا اَرْزَءُ اَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتّٰى اُفَارِقَ الدُّنْيَا. فَكَانَ اَبُوْ بَكْرٍ رضی اللہ عنہ يَدْعُوْ حَكِيْمًا إِلَى الْعَطَآءِ فَيَأْبٰى أَنْ يَّقْبَلَهُ مِنْهُ، ثُمَّ اِنَّ عُمَرَ رضی اللہ عنہ دَعَاهُ لِيُعْطِيَهُ فَأَبٰى أَنْ يَّقْبَلَ مِنْهُ شَيْئًا، فَقَالَ عُمَرُ: إِنِّي اُشْهِدُكُمْ يٰمَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى حَكِيْمٍ، أَنِّي أَعْرِضُ عَلَيْهِ حَقَّهُ مِنْ هَذَا الْفَيْءِ، فَيَأْبٰى أَنْ يَأْخُذَهُ. فَلَمْ يَرْزَأْ حَكِيْمٌ أَحَدًا مِّنَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ

اللهِ ﷺ حَتَّى تُوُفِّيَ۔ (۱)

’’حضرت عروہ بن زبیر اور سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے مانگا تو آپ ﷺ نے مجھے عطا فرمایا۔ پھر مانگا تو پھر عطا فرمایا۔ اس کے بعد پھر مانگا تو عطا فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا: اے حکیم، بے شک یہ مال سرسبز اور شیریں ہے جو اسے نفس کی لاتعلقی یعنی سیر چشمی سے لیتا ہے تو اُس میں اُسے برکت دی جاتی ہے اور جو اسے دلی لالچ سے لیتا ہے اس میں اسے برکت نہیں دی جاتی اور وہ اُس شخص کی طرح ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔ اُوپر والا ہاتھ نیچے والے سے بہتر ہے۔ حضرت حکیم کا بیان ہے کہ میں عرض گزار ہوا: یا رسول اللہ! قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، میں جب تک جیتا رہوں گا آپ کے بعد کسی کا دیا قبول نہیں کروں گا یہاں تک کہ میں دنیا چھوڑ جاؤں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت حکیم کو مال دینے کے لئے بلاتے تو وہ اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلایا کہ انہیں کچھ دیں تو انکار کر دیا اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے مسلمانوں کی جماعت میں تم لوگوں کو حکیم پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے مالِ غنیمت سے ان کو اُن کا حق دیا لیکن انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ اس طرح حضرت حکیم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی سے بھی مال لینا قبول نہیں کیا یہاں تک کہ وفات پا گئے۔‘‘

۲۔ امام بخاری نے اس سے اگلا باب اس طرح قائم کیا ہے: مَنْ أَعْطَاهُ اللهُ شَيْئًا مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ وَ لَا إِشْرَافِ نَفْسٍ (جس کو اللہ تعالیٰ بن مانگے اور طمع و لالچ

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الزکوۃ، باب الاستعفاف عن المسألۃ، ۲:۵۳۵، ۵۳۶، رقم:۱۴۰۳

کے بغیر مال عطا فرمائے)۔ اس باب میں وہ درج ذیل روایت لاتے ہیں:

عَنْ سَالِمٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضي الله عنهما قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ يَقُوْلُ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُعْطِيْنِي الْعَطَاءَ، فَأَقُوْلُ: أَعْطِهِ مَنْ هُوَ أَفْقَرُ إِلَيْهِ مِنِّي فَقَالَ: خُذْهُ، إِذَا جَاءَکَ مِنْ هَذَا الْمَالِ شَيْءٌ، وَأَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَ لَا سَائِلٍ، فَخُذْهُ، وَ مَا لَا، فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَکَ۔ (۱)

’’حضرت عبد اللہ بن عمر رضي الله عنهما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا: رسول اللہ ﷺ مجھے کچھ مال عطا فرماتے تو میں عرض کرتا: یا رسول اللہ! اسے اس شخص کو عطا فرمائیں جو مجھ سے بھی زیادہ ضرورتمند ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (اے عمر) یہ مال لے لو۔ جب اس مال میں سے تمہارے پاس کچھ اس طرح آئے کہ تم اس کا لالچ نہ رکھو اور نہ خود مانگو تو لے لیا کرو، اور جو مال اس طرح نہ آئے تو اس کے پیچھے نہ پڑو۔‘‘

۳۔ اس کے بعد امام بخاریؒ نے مَنْ سَأَلَ النَّاسَ تَكَثُّرًا (جو لوگوں سے کثرت سے سوال کرتے ہیں) کے عنوان سے باب قائم کرکے درج ذیل روایت بیان کی ہے:

عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ حَتَّى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَيْسَ فِي وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحْمٍ. وَ قَالَ: إِنَّ الشَّمْسَ تَدْنُوْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتَّى يَبْلُغَ الْعَرَقُ نِصْفَ الْأُذُنِ فَبَيْنَاهُمْ كَذٰلِکَ اسْتَغَاثُوْا بِادَمَ، ثُمَّ بِمُوْسٰى، ثُمَّ بِمُحَمَّدٍ ﷺ۔

وَزَادَ عَبْدُاللهِ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي جَعْفَرٍ فَيَشْفَعُ

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الزکوۃ، باب من أعطاه الله شيئًا من غير مسألة ولا إشراف نفس، ۲: ۵۳۶، رقم: ۱۴۰۴

لِيُقْضٰى بَيْنَ الْخَلْقِ، فَيَمْشِي حَتّٰى يَأْخُذَ بِحَلْقَةِ الْبَابِ، فَيَوْمَئِذٍ يَّبْعَثُهُ اللهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا، يَّحْمَدُهُ أَهْلُ الْجَمْعِ كُلُّهُمْ۔

وَ قَالَ مُعَلّٰى: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ رَاشِدٍ، عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مُسْلِمٍ، أَخِي الزُّهْرِيِّ، عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِاللهِ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْمَسْأَلَةِ۔ (۱)

’’حضرت حمزہ بن عبد اللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو کہتے ہوئے سنا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: آدمی مسلسل لوگوں سے بھیک مانگتا رہے گا یہاں تک کہ قیامت کے روز اس حالت میں آئے گا کہ اُس کے چہرے پر گوشت کی ایک بوٹی بھی نہیں رہے گی، اور فرمایا: قیامت کے روز سورج لوگوں کے قریب آجائے گا، یہاں تک کہ پسینہ نصف کانوں تک پہنچ جائے گا لوگ اسی حالت میں حضرت آدم علیہ السلام سے مدد چاہیں گے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے، پھر محمد مصطفیٰ ﷺ سے استغاثہ کریں گے۔

’’عبداللہ، لیث، ابنِ ابوجعفر سے روایت ہے کہ آپ ﷺ شفاعت فرمائیں گے کہ مخلوق کے درمیان فیصلہ ہو، یہاں تک کہ جنت کے دروازے کی زنجیر پکڑ لیں گے، اُس روز اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا تاکہ اس مجمع عظیم میں موجود تمام لوگ آپ ﷺ کی تعریف کریں۔

’’معلیٰ، وہیب، نعمان بن راشد، زہری کے بھائی عبداللہ بن مسلم، حمزہ بن عبداللہ اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو حضور نبی اکرم ﷺ سے سوال کرنے کے مسئلہ کے تحت روایت کیا ہے۔‘‘

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الزکوۃ، باب من سأل الناس تکثرًا، ۲: ۵۳۶، رقم: ۱۴۰۵

واضح رہے کہ امام بخاری نے احادیثِ شفاعت کثرت کے ساتھ 'شفاعت'' ہی کے لفظ کے ساتھ ''الصحیح'' کی مختلف کتب اور ابواب میں تخریج کی ہیں مگر یہ حدیث نہ صرف بطورِ خاص سوال کرنے اور مدد طلب کرنے کے باب میں اور انہی ابواب کے تسلسل میں روایت کی ہے بلکہ اس کے لئے حضور نبی اکرم ﷺ کا بیان کردہ لفظ استغاثہ (مدد طلب کرنا) بھی استعمال ہوا ہے۔ پھر آخر میں امام بخاری نے حدیث کے ذریعے تصریح بھی کر دی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی اس حدیث کو ''سوال کرنے اور مدد طلب کرنے'' کے موضوع کے تحت بیان فرمایا تھا۔

مذکورہ حدیثِ مبارکہ کے پہلے حصے میں لوگوں سے بھیک مانگنے کے بارے میں سخت وعید وارد ہوئی ہے لیکن حدیث کے اگلے حصے میں متصلاً اس ایمان افروز اور اہلِ ایمان کے لئے پر اُمید نوید کا ذکر ہے جس پر ہر کوئی نازاں و فرحاں ہے۔ وہ ہے آپ ﷺ کا مقامِ محمود پر فائز ہو کر اُمت کی بخشش و مغفرت اور بلندیٔ درجات کے لئے شفاعت فرمانا۔ اسی مقام پر اَولین اور آخرین آپ ﷺ سے اِستغاثہ کریں گے۔

ماتحت الاسباب اُمور میں اِستعانت و اِستغاثہ

استعانت واستغاثہ کے باب میں بعض لوگ ما فوق الاسباب استعانت کو جائز نہیں سمجھتے صرف ماتحت الاسباب استعانت کے قائل ہیں لیکن ہم نے گزشتہ صفحات میں بیان کیا کہ اِستعانت خواہ فوق الاسباب امور میں ہو یا تحت الاسباب اُمور میں، عام لوگوں کی قدرت سے خارج ہوں یا اُن کی قدرت میں داخل، حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہی مختص رہتی ہے۔ بندوں کے ہاتھ پر جو کچھ بھی ظاہر ہوتا ہے اِن تمام کا خالق اور موجد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ بندوں کے ذریعے جو مدد و اعانت صادر ہوتی ہے وہ کسب کہلاتی ہے یعنی کسی کی مدد کرنے والے بندے فقط فعلِ امداد کا سبب اور واسطہ ہوتے ہیں، مدد، نصرت اور اعانت کے خالق نہیں ہوتے۔ اس لئے ان سے استمداد اور استعانت بھی

ظاہری اور مجازی ہوتی ہے حقیقی نہیں۔ کثرت کے ساتھ احادیث میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے اس کے لئے اللہ کے ہاں انعامات ہیں۔ اس مدد کرنے کے عمل ہی کو اصطلاحًا استغاثہ اور استعانت کہتے ہیں۔ عون سے استعانت ہے اور غوث سے استغاثہ ہے۔ یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ استعانت اور استغاثہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔

صحیح احادیث میں مسلمان کو مسلمان کا بھائی کہا گیا ہے۔ اگر کوئی مسلمان کسی مشکل اور بحرانی صورت حال سے دوچار ہے اور کوئی دوسرا اس کی حاجت روائی کرے تو ایسا کرنے والے کی حاجت اللہ تعالیٰ روز قیامت پوری کرے گا۔ اسی طرح حدیث کی رو سے جب تک کوئی شخص کسی کی مدد میں مصروف رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا معین و مددگار رہتا ہے۔ ایک حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے کا ذکر کیا گیا ہے جو مشکلات اور پریشان کن حالات میں مبتلا افراد کا معین و مددگار بن جائے۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کا بندۂ غوث ہوتا ہے، جس کا ایک اقدام تہتر (۷۳) نیکیوں کا بدل بن جاتا ہے۔ اس حدیثِ پاک میں حضور ﷺ نے موجودہ دور میں ہونے والی تمام نکتہ چینیوں اور اعتراضات کا جواب دے دیا اور مدد کے ان تمام کاموں کو جائز قرار دیا جن کا قیامت کے دن اجر دیا جائے گا۔

۱۔ بندۂ مومن دوسروں کا مشکل کشا اور حاجت روا ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ، مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيْهِ كَانَ اللهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ۔(۱)

’’مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اپنے بھائی پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے کسی ظالم کے حوالے کرتا ہے۔ جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کی حاجت روائی کرے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری فرمائے گا جو شخص (دنیا کی پریشانیوں میں سے) کسی مومن کی پریشانی کو دور کر دے اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن کی پریشانیوں کو دور فرمائے گا اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔‘‘

اس حدیثِ مبارکہ کی رو سے اگر یہ کہا جائے کہ کوئی مومن اللہ تعالیٰ کے پریشان حال بندوں کا حاجت روا، مشکل کشا اور پردہ پوش ہے تو اس میں کوئی بات نہ خلافِ حقیقت ہوگی اور نہ شرک۔

۲۔ بندۂ مومن ناصر و مددگار ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيْهِ۔(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المظالم، باب لا یظلم المسلم المسلم ولا یسلمه، ۲:۸۶۲، رقم: ۲۳۱۰

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب تحریم الظالم، ۴:۱۹۹۶، رقم: ۲۵۸۵

۳۔ ترمذی، السنن، کتاب الحدود عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب ما جاء فی الستر علی المسلم، ۴:۳۴، رقم: ۱۴۲۶

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الذکر، باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن، ۴:۲۰۷۴، رقم: ۲۶۹۹ ←

’’اللہ ﷻ اس وقت تک بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے۔‘‘

کیا اس حدیث کے مطابق مومن اپنے مسلمان بھائیوں کا ناصر و مددگار نہیں کہلائے گا؟

۳۔ بندۂ مومن فریادرَس ہے

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إن لله عبادًا يفزع الناس إليهم فى حوائجهم الآمنون يوم القيامة من عذاب الله۔(۱)

’’اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ لوگ اپنی جمع وحوائج میں ان سے فریاد کرتے ہیں (وہ اگر دوسروں کی فریاد رسی کرتے ہیں تو) قیامت کے روز وہ (بندے) اللہ کے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ کے اِس ارشاد مبارک کے مطابق اللہ تعالیٰ کے جو بندے اپنے بھائیوں کی فریاد سن کر ان کی مدد کو پہنچیں گے تو کیا وہ ان کے فریاد رس نہ ہوں گے؟

۴۔ بندۂ مومن مستغاث ہے

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

۲۔ ترمذی، السنن، کتاب البر والصلة عن رسول الله ﷺ، باب ماجاء فی الستر علی المسلم، ۴: ۳۲۶، رقم: ۱۹۳۰

۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۵۲، رقم: ۷۴۲۱

(۱) ہندی، کنزالعمال، ۶: ۴۴۵

من أغاث ملهوفاً كتب الله له ثلاثاً وّسبعين حسنةً۔ (۱)

’’جو شخص کسی مظلوم کی مدد کرے اللہ ﷻ اس کے لئے تہتر نیکیاں لکھ دیتے ہیں۔‘‘

مذکورہ بالا ان اَحادیث سے معلوم ہوا کہ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ زیردستوں اور محتاجوں کے معین و مغیث، قاضیُ الحاجات اور ستار العیوب وغیرہ صفات سے متصف ہوتا ہے۔ باوجود اس کے کہ قاضیُ الحاجات اور ستار و معین حقیقتاً اللہ ﷻ کی ذات ہے لیکن چونکہ بندہ اس میں واسطہ ہے اس لئے اس کی طرف فعل کی نسبت کرنا بھی درست ہے۔

۵۔ صالحین کے وسیلہ سے آفات و بلیات ٹلتی ہیں

حضور نبی اکرم ﷺ سے بکثرت یہ اَقوال منقول ہیں کہ اللہ تعالیٰ اِستغفار کرنے والوں اور مسجدوں کو آباد کرنے والوں کی وجہ سے ساکنانِ اَرض سے اپنے عذاب کو دور کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اِن ہی کی وجہ سے زمین والوں کو رزق دیتا ہے، ان کی مدد کرتا ہے اور زمین پر بسنے والوں سے بلاؤں اور مصائب کو دور فرماتا ہے۔

امام بخاریؒ نے مصعب بن سعد سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَآئِكُمْ۔ (۲)

’’تم لوگوں کی تمہارے کمزور لوگوں کی وجہ سے ہی مدد کی جاتی ہے اور رزق دیا جاتا ہے۔‘‘

امام ترمذی اور حاکم نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی

(۱) ہندی، کنزالعمال، ۶: ۴۴۵، رقم: ۱۶۴۷۰

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب الجهاد من استعان بالضعفاء والصالحین فی الحرب، ۳: ۱۰۶۱، رقم: ۲۷۳۹

اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَعَلَّکَ تُرْزَقُ بِه۔[1]

''تم کو اسی کی وجہ سے رزق دیا جاتا ہے۔''

اِستغاثہ میں کوئی شرکیہ عنصر نہیں

یہ طے شدہ بات ہے کہ اللہ ﷻ ہی صحت و بیماری اور نفع و نقصان کا حقیقی مالک و خالق ہے۔ یہ اعتقاد اللہ تعالیٰ کے لئے رکھنا توحید جب کہ غیر اللہ کے لئے رکھنا شرک ہے۔ اللہ ﷻ ہر چیز پر قادر ہے کسی بھی مسلمان کا انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی نسبت ایسا عقیدہ نہیں ہو سکتا کہ وہ بذاتِ خود نفع وضرر کے مالک ہیں۔ قرآن میں کفار و مشرکین کے معبودانِ باطلہ کے بارے میں اس عقیدے کو رد کرتے ہوئے کہ وہ نفع و نقصان پہنچانے کے مالک ہیں۔ ارشاد فرمایا:

اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّ لَا يَضُرُّكُمْ۔[2]

''پھر کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان (مورتیوں) کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں کچھ نفع دے سکتی ہیں اور نہ تمہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں۔''

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نفع و نقصان کا مالک ہونے کی نفی کی گئی ہے، آج بھی اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نفع وضرر کا مالک جان کر ان سے استعانت کی جائے یا ان سے مدد طلب کی جائے تو یہ شرک ہوگا۔ یہ امر ثابت ہے کہ مخلوق

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الجهاد، باب ما جاء فی الاستفتاح بصعالیك المسلمین، ۴: ۵۷۴، رقم: ۲۳۴۵
۲۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۱۷۲، رقم: ۳۲۵

(۲) القرآن، الانبیاء، ۲۱: ۶۶

سے نفع ہوسکتا ہے اور مخلوق سے نفع کا پہنچنا جائز ہے، محض کسی کی طرف سے نفع چاہے قلیل ہو یا کثیر اس کا پہنچنا شرک نہیں ہے۔ شرک کا حکم تو قلیل اور کثیر کے لئے یکساں ہے۔ جب مخلوق کو مخلوق سے نفع پہنچنا شرک نہیں تو پھر کسی سے نفع طلب کرنا کیسے شرک ہوسکتا ہے؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو نفع کا باعث اس لئے بنایا ہے کہ اس کے ذریعے سے مخلوق کو نفع پہنچے اور جب وہ مخلوق کو نفع پہنچا رہا ہے تو اس سے نفع طلب کرنا کیسے شرک ہوسکتا ہے؟ اگر شرک ہوتا تو اللہ ﷻ کسی کو نافع ہی نہ بناتا۔ شرک تب ہوگا کہ کسی کو نفع و نقصان کا مالک سمجھ کر اس سے استغاثہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے مقرب و محبوب بندے اس کی مخلوق کے لئے نفع رسانی کا باعث ہیں مالک نہیں۔ لہٰذا درست عقیدہ یہی ہے کہ مقربانِ الٰہی سے استغاثہ و استعانت ہرگز شرک نہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا استغاثہ

اَحادیثِ مبارکہ میں جا بجا مذکور ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور خاتم النبیین ﷺ سے اِستغاثہ و اِستمداد کرتے تھے۔ اپنے اَحوالِ فقر، مرض، مصیبت، حاجت، قرض اور عجز وغیرہ کو بیان کر کے آپ ﷺ کے وسیلہ سے اپنی پریشانیوں کا مداوا اور مسائلِ حیات کا اِزالہ کرتے تھے۔ اِس عمل میں اُن کا عقیدہ یہی تھا کہ نفع و ضرر میں سرورِ کائنات ﷺ ایک واسطہ اور سبب ہیں جبکہ حقیقی فاعل تو صرف اللہ جل جلالہ ہی کی ذات ہے۔ اس حوالے سے چند واقعات درج ذیل ہیں:

۱۔ رفعِ نسیان کے لئے سیدنا اَبو ہُریرہ رضی اللہ عنہ کا اِستغاثہ

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا حافظہ شروع میں بہت کمزور تھا اور وہ سرورِ کائنات ﷺ کے تمام اِرشاداتِ گرامی یاد نہیں رکھ سکتے تھے۔ دریں اثناء اُنہوں نے حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں اِستغاثہ کیا، جس پر حضور ﷺ نے اُن کی نِسیان کی شکایت ہمیشہ کیلئے رفع فرما دی۔ یہی سبب ہے کہ آپ کثیر الرواۃ صحابی ہوئے۔ سیدنا

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ خود بیان فرماتے ہیں:

قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، إِنِّي أَسْمَعُ مِنْکَ حَدِيْثاً كَثِيْراً أَنْسَاهُ، قَالَ ﷺ: ابْسُطْ رِدَاءَکَ، فَبَسَطْتُهُ، قَالَ: فَغَرَفَ بِيَدَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: ضُمَّهُ فَضَمَمْتُهُ، فَمَا نَسِيْتُ شَيْئاً بَعْدُ۔ (۱)

''میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ میں آپ سے بہت سی احادیث سنتا ہوں اور پھر بھول جاتا ہوں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اپنی چادر پھیلاؤ، پس میں نے چادر پھیلائی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: پھر حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے کوئی چیز اُٹھا کر اس (چادر) میں ڈالی، پھر فرمایا: اِسے اپنے ساتھ ملا لو، پس میں نے ملا لیا تو اُس کے بعد میں کبھی کوئی چیز نہیں بھولا۔''

صحیح بخاری کی مذکورہ حدیثِ مبارکہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر مشکل کے حل کے لئے رسولِ اکرم ﷺ سے اِستغاثہ کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑا موحّد کون ہوسکتا ہے اور نبئ اکرم ﷺ سے بڑھ کر بڑا داعی اِلی التوحید کون ہوسکتا ہے؟ مگر اِس کے باوجود سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے اِستغاثہ و اِستمداد کی، اور آپ ﷺ نے اِنکار کی بجائے اُن کا مسئلہ زندگی بھر کیلئے حل فرما دیا۔ اِس کا سبب یہ ہے کہ ہر موحّد یہ جانتا ہے کہ مُستعانِ حقیقی فقط اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی ذات ہے۔ انبیاء، اولیاء، صلحاء اور پاکانِ اُمت جن سے مدد طلب کی جاتی ہے، وہ تو حلِ مشکلات میں صرف سبب اور ذریعہ ہوتے ہیں۔ اُن کا تصرّف محض اللہ تعالی کی عطاء سے قائم ہوتا ہے تاکہ وہ لوگوں کیلئے اللہ

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب العلم، باب حفظ العلم، ۱:۵٦، رقم: ۱۱۹

۲۔ بخاری، الصحيح، كتاب المناقب، باب سؤال المشركين أن يريهم النبی ﷺ آيةً، ۳:۱۳۳۳، رقم: ۳۴۴۸

تعالیٰ کی بارگاہ میں مطلوب کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ بنیں۔

ہر ذِی شعور موحّد یہ جانتا ہے کہ قضائے حاجت اور مطلب براری کے لئے دُعا اور مدد صرف اُسی سے مانگی جاتی ہے جس کے قبضۂ قدرت میں کل اِختیاراتِ عالم ہیں۔ جب کہ طالبِ وسیلہ کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ وسیلہ بننے اور شفاعت کرنے والا اللہ ربّ العزت سے مُجھ گناہگار کی نسبت زیادہ قربت رکھتا ہے اور اُس کا مرتبہ اِستغاثہ کرنے والے کی نسبت بارگاہِ ایزدی میں زیادہ ہے۔ سائل اُسے مستغاثِ مجازی سے زیادہ کچھ نہیں جانتا کیوں کہ وہ اِس بات سے آگاہ ہوتا ہے کہ مستغاثِ حقیقی فقط اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یہی معاملہ حدیثِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے واضح ہوتا ہے۔

۲۔ ضائع شدہ آنکھ کی بحالی کے لئے قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کا اِستغاثہ

غزوۂ بدر کے دوران حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ ضائع ہوگئی اور آنکھ کا ڈھیلا اپنے اصل مقام سے باہر نکل کر چہرے پر لٹک گیا۔ تکلیف کی شدّت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے مشورہ دیا کہ آنکھ کی رَگ کاٹ دی جائے تاکہ تکلیف کچھ کم ہو جائے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں کے مشورے پر عملدرآمد سے پہلے محسنِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عرضِ حال و اِلتجاء کا فیصلہ کیا۔ اِس حدیثِ اِستغاثہ کو ائمہ نے ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔

عَنْ قَتَادَةَ بْنِ النُّعْمَانِ، أَنَّهُ أُصِيبَتْ عَيْنُهُ يَوْمَ بَدْرٍ، فَسَالَتْ حَدَقَتُهُ عَلَى وَجْنَتِهِ، فَأَرَادُوْا أَنْ يَّقْطَعُوْهَا، فَسَأَلَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَالَ: لَا، فَدَعَا بِهِ، فَغَمَزَ حَدَقَتَهُ بِرَاحَتِهِ، فَكَانَ لَا يُدْرَى أَيُّ عَيْنَيْهِ أُصِيبَتْ۔ (۱)

(۱) ۱۔ أبويعلی، المسند، ۳: ۱۲۰، رقم: ۱۵۴۹

۲۔ بیہقی، دلائل النبوۃ، ۳: ۱۰۰

۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۸: ۲۹۷

’’حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اُن کی آنکھ غزوۂ بدر کے دوران زخمی ہوگئی اور ڈھیلا نکل کر چہرے پر آ گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اُسے کاٹ دینا چاہا تو انہوں نے اس بارے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرما دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بلایا اور آنکھ کو دوبارہ اُس کے مقام پر رکھ دیا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ اِس طرح ٹھیک ہوگئی کہ معلوم بھی نہ ہوتا تھا کون سی آنکھ ضائع ہوئی۔‘‘

ثابت ہوا کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے سرورِ انبیاء حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر جب اپنی تکلیف اور دکھ کا اظہار کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں اِستعانت و اِستغاثہ کیا تو حضورِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنکھ کو کاٹنے کی اِجازت دینے کی بجائے اپنے دستِ مبارک سے آنکھ کو دوبارہ اُس کے اصل مقام پر رکھ دیا جس سے اُن کی بینائی پھر سے لوٹ آئی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میری ضائع ہونے والی آنکھ کی بینائی کسی طرح بھی پہلی آنکھ سے کم نہیں بلکہ پہلے سے بھی بہتر ہے۔

امام ہیثمی نے اس طرح کی احادیث کو اپنی کتاب ’’مجمع الزوائد‘‘ میں جمع کرنے کے بعد باب کا عنوان ’’رُدہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم البصر‘‘ یعنی ’’آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آنکھ لوٹانا‘‘ رکھا۔ اس سے اکابرینِ امت کے عقیدہ صحیحہ کا پتہ چلتا ہے۔

۳۔ مضر پھوڑے سے شفایابی کے لئے صحابی رضی اللہ عنہ کا اِستغاثہ

کتبِ احادیث میں طبیبِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک صحابی کا اِستغاثہ بھی مروی ہے۔ اُن کے ہاتھ میں ایک مضر پھوڑا (struma) تھا جس کی وجہ سے دورانِ جہاد اُن کے لئے گھوڑے کی لگام یا تلوار کا دَستہ پکڑنا ممکن نہ رہا تھا۔ وہ صحابی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اَقدس میں حاضر ہوئے اور اِس بیماری کے علاج کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اِستغاثہ کیا۔ پس اللہ جل جلالہ مستعانِ حقیقی نے دستِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے اُس صحابی کو شفا عطا فرما

دی۔ یہ حدیثِ مبارکہ مجمع الزوائد میں ان صحابی کے الفاظ میں یوں مروی ہے:

أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ وَبِكَفِّي سَلْعَةٌ، فَقُلْتُ: "يَا نَبِيَّ اللهِ! هَذِهِ السَّلْعَةُ قَدْ أَوْرَمَتْنِي لَتَحُوْلُ بَيْنِي وَ بَيْنَ قَائِمِ السَّيْفِ أَنْ أَقْبِضَ عَلَيْهِ وَ عَنْ عَنَانِ الدَّابَةِ". فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: "أُدْنُ مِنِّي". فَدَنَوْتُ، فَفَتَحَهَا، فَنَفَثَ فِي كَفِّي، ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ عَلَى السَّلْعَةِ، فَمَا زَالَ يَطْحِنُهَا بِكُفِّهِ حَتَّى رَفَعَ عَنْهَا وَ مَا أَرَى أَثَرَهَا۔(۱)

''میں حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ میرے ہاتھ میں ایک پھوڑا تھا۔ میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! (میرے ہاتھ پر) پھوڑا ہے جس کی وجہ سے مجھے سواری کی لگام اور تلوار پکڑنے میں تکلیف ہوتی ہے''۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میرے قریب ہو جاؤ''۔ پس میں آپ ﷺ سے قریب ہو گیا، آپ ﷺ نے اُس پھوڑا کو کھول کر میرے ہاتھ میں پھونک ماری اور اپنے دستِ مبارک کو پھوڑے پر رکھ کر دباتے رہے حتی کہ جب ہاتھ اُٹھایا تو اُس (پھوڑے) کا اثر مکمل طور پر زائل ہو چکا تھا۔''

۴۔ بینائی کے لئے صحابی رضی اللہ عنہ کا اِستغاثہ

مادر زاد نابیناؤں کو نعمتِ بصارت سے فیضیاب کرنا بھی تاجدارِ انبیاء ﷺ کا معجزہ ہے۔ جامع ترمذی کی روایت ہے کہ ایک نابینا صحابی سرورِ کائنات ﷺ کی خدمتِ اَقدس میں بینائی کے حصول کے لئے اِستغاثہ کرنے آئے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے اُنہیں منع کرنے اور اِستغاثہ کی حُرمت یا خدشہء شرک کا اِظہار کرنے کی بجائے خود اُنہیں دُعا کی تلقین فرمائی۔ یہ دُعا، وسیلہ اور اِستغاثہ دونوں کی جامع ہے اور اُس نابینا صحابی رضی اللہ عنہ

(۱) هيثمي، مجمع الزوائد، كتاب علامات النبوة، باب شفاء السلعة، ۲۹۸:۸

کی طرح اگر اسے آج بھی صدق دل اور خلوص نیت سے کیا جائے تو اِنسانیت کے لئے مجرّب اعظم ہے۔ مذکورہ دُعا کے الفاظ یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُکَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْکَ بِنَبِيِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَامُحَمَّدُ! إِنِّي قَدْ تَوَجَّهْتُ بِکَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذِهِ فَتَقْضِي لِي، اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ. (۱)

''اے اللہ! میں نبیٔ رحمت محمد مصطفی ﷺ کے واسطے سے تجھ سے سوال کرتا اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد! میں اپنی اِس حاجت میں آپ کے واسطے سے اپنے ربّ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ یہ حاجت بر آئے۔ یا اللہ میرے معاملے میں حضور نبی اکرم ﷺ کی سفارش وشفاعت کو قبول کر لے۔''

اس حدیثِ مبارکہ میں مذکور دُعا کا اِبتدائی جملہ حضور نبی اکرم ﷺ کو اللہ جل جلالہ کی بارگاہ میں بطورِ وسیلہ پیش کر رہا ہے، جب کہ اِسی دُعا کا دوسرا جملہ جس میں حضور نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کیا جا رہا ہے مقبولانِ بارگاہِ الٰہی سے اِستغاثہ کا نہ صرف جواز بلکہ حکم مہیا کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے اِستغاثہ جائز اور درست نہ ہوتا تو حضور نبی اکرم ﷺ اِس عمل کا حکم اِرشاد نہ فرماتے۔ حضور سرورِ کائنات نے خود اپنی ذاتِ گرامی سے اِستغاثہ کا حکم اِرشاد فرما کر ان باطل عقائد و نظریات کی جڑ کاٹ دی جن کے ذریعہ بعض لوگ اِسلام کے حقیقی عقائد و نظریات اور تعلیمات کا چہرہ مسخ کرتے ہوئے جمیع مسلمانانِ عالم کو کافر و مشرک قرار دیتے ہیں۔

---

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الدّعوات عن رسول اللہ ﷺ، باب فی دعاء الضعیف، ۵: ۵۶۹، ۳۵۷۸

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب اقامة الصلوة والسنة فيها، باب ما جاء فی صلوة الحاجة، ۱: ۴۴۱، رقم: ۱۳۸۵

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۳۸، رقم: ۱۶۶۰۴

۵۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے صحابی کی حاجت روائی

ہم یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ توسُّل کا یہ طریقہ نبی ﷺ کی حیاتِ ظاہری کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم توسُّل کے اس صیغہ کو آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی استعمال کرتے تھے۔ طبرانی کی روایت سے ثابت ہے کہ ایک آدمی اپنی کسی غرض و حاجت سے بار بار حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا تھا۔ لیکن وہ اس کی طرف التفات نہ فرماتے۔ وہ آدمی حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو ملا اور ان سے اس کا شکوہ کیا۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وضو کر کے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ کر ان الفاظ کے ساتھ دعا کرو: "**اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُکَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْکَ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ ..... إلی آخرہ** اور اپنی حاجت کا ذکر کرو۔ وہ آدمی چلا گیا اور جو اس کو کہا گیا تھا اس نے وہی کیا۔ اس کے بعد جب وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر آیا تو دربان نے خود اس کو اپنے ہاتھ سے پکڑا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دربارِ خلافت میں اس کو اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا اور فرمایا کہ تمہاری کیا حاجت ہے؟ اس نے اپنی حاجت بیان کی تو حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے اس کی حاجت پوری کردی اور فرمایا کہ تم نے اب تک اپنی حاجت کا کیوں ذکر نہ کیا؟ آئندہ جو بھی ضرورت ہو، ہمارے پاس آجایا کرو۔ وہ آدمی جب ان کے ہاں سے رخصت ہوا تو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے عرض کیا: اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، عثمان تو اس سے پہلے میری حاجت کے بارے میں نہ غور کرتے اور نہ میری طرف التفات کرتے تھے اب آپ نے ان سے میری سفارش کردی تو میرا کام ہوگیا۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

واللہ! ما کلمته، و لکنّی شهدت رسول اللہ ﷺ و أتاه ضریر، فشکا إلیه ذهاب بصره، فقال له النبي ﷺ: فتصبر؟ فقال:

یارسول اللہ! لیس لي قائد و قد شقّ عليّ، فقال له النبي ﷺ: ائت الميضأة فتوضأ ثم صل ركعتين ثم ادع بهذه الدعوات. قال ابن حنيف: فواللہ! ما تفرقنا، و طال بنا الحديث حتى دخل علينا الرجل كأنه لم يكن به ضرّ قط۔(۱)

’’بخدا! یہ میں نے نہیں کہا۔ بلکہ ایک دفعہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ کے پاس ایک اندھا آدمی آیا اور آپ ﷺ سے اپنی بینائی کے ختم ہونے کا شکوہ کیا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا صبر کر۔ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا کوئی خادم نہیں ہے اور مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ لوٹا لے کر آ ؤ اور وضو کرو۔ پھر دو رکعت (نفل نماز) پڑھ کر ان دعائیہ کلمات سے دعا کرو۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خدا کی قسم! ہم لوگ ابھی نہ تو مجلس سے دور ہوئے اور نہ ہی ہمارے درمیان گفتگو لمبی ہوئی حتی کہ وہ آدمی ہمارے پاس (اس حالت میں) آیا کہ گویا اسے اندھا پن تھا ہی نہیں۔‘‘

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو وہ دعا سکھائی جس میں نبی ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کے ذریعہ استغاثہ وندا اور نبی ﷺ کو وسیلہ بنانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ اس آدمی نے یہ گمان کیا کہ شاید عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین سے سفارش کی ہے جس وجہ سے اس کی ضرورت پوری ہوئی ہے اس لئے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے جلدی سے نہ صرف اس کے گمان کی نفی کردی بلکہ اس عمل خیر کو اپنی ذات سے منسوب کرنے کی بجائے اس کو وہ حدیث سنائی جو انہوں نے حضور نبی

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۹: ۳۱، رقم: ۸۳۱۱
۲۔ طبرانی، المعجم الصغیر، ۱: ۱۸۳۔۱۸۴
۳۔ بیہقی، دلائل النبوۃ، ۶: ۱۶۷۔ ۱۶۸

اکرم ﷺ سے سنی تھی تاکہ ثابت ہو جائے کہ اس کی حاجت نبی ﷺ کو وسیلہ بنانے اور آپ ﷺ کو نداء اور آپ ﷺ سے استغاثہ کی وجہ سے پوری ہوئی ہے اور اللہ کی قسم کھا کر اسے یقین دہانی کروائی کہ انہوں نے امیر المؤمنین سے اس بارے میں کوئی سفارش نہیں کی بلکہ یہ سب کچھ وسیلۂ مصطفی ﷺ کی برکت ہے۔

علامہ ابنِ تیمیہ کی تائید

علامہ ابنِ تیمیہ نے ابنِ ابی الدنیا کی کتاب ''مجابو الدعوۃ'' سے ایک حکایت نقل کی ہے کہ ایک شخص عبد الملک بن سعید بن ابجر کے پاس آیا۔ عبد الملک نے اس کے پیٹ کو دبایا اور کہا کہ تمہیں ایک لا علاج بیماری 'دبیلہ (بڑا پھوڑا)' ہے جو پیٹ کے اندر نکلتا ہے اور اکثر مریض کو ہلاک کر دیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ شخص واپس ہوا اور پھر اس نے مذکورہ بالا ''توسلِ رسول ﷺ'' پر دعا کو پڑھا۔ بعد ازاں عبدالملک نے اس کے پیٹ کو دبایا اور کہا کہ تم ٹھیک ہو گئے ہو، تمہیں کوئی بیماری نہیں۔

شیخ ابنِ تیمیہ اپنی کتاب میں اس پورے واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فهذا الدعا و نحوه قدروی أنه دعا به السلف۔(۱)

''یہ اور اس جیسی دیگر مجرب دعائیں سلف صالحین کا معمول رہی ہیں۔''

اہم بات یہ ہے کہ علامہ ابن تیمیہ نے بھی اس چیز کی نہ صرف روایت کر دی بلکہ وسیلہ اور استغاثہ کے اس عمل کو صالحینِ اُمت کا معمول قرار دیا۔ شیخ ابنِ تیمیہ کی یہ خاموش تائید گویا ایسی دعاؤں اور وظائف کو استغاثہ بنانے کا جواز ہیں۔

عملِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے اِستغاثہ بالنبی ﷺ کے ثبوت میں کتبِ احادیث بھری پڑی ہیں۔ احادیثِ صحیحہ مرفوعہ متواترہ سے یہ بات ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب بھی کوئی

(۱) ابن تیمیه، قاعدة جليلة فی التوسل والوسيلة: ۹۱

مصیبت و آفت درپیش ہوتی تو وہ سرورِ کائنات حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں اِستغاثہ کے لئے حاضر ہوتے۔ حضور ﷺ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اِس عمل سے روکنے کی بجائے اُن کی حاجت براری کرنا استغاثہ کے جواز کو حتمی طور پر ثابت کرتا ہے کہ یہ عمل شِرک کے اَدنیٰ سے شائبہ سے بھی پاک ہے۔ اوّلاً یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی صحابی شِرک میں مبتلا ہو اور ثانیاً یہ اُس سے بھی زیادہ ناممکن بات ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شِرک سے بچنے کی تعلیم نہ دیں۔

توحید کی آڑ میں فیوضاتِ محمدی ﷺ سے اِنکار کی اِبلیسی روِش

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس تمام روحانی، علمی اور عملی کمالات کے حصول میں جمیع مخلوق کے لئے فیض کا واسطۂ اعظم ہیں۔ تمام اَنبیاء و رُسل اَولیاء وعرفاء حتیٰ کہ ملائکہ مقربین میں جو جو کمالات و معارف فرداً فرداً موجود ہیں وہ سب کے سب آپ ﷺ میں بدرجۂ اَتم موجود ہیں اور سب کو آپ ﷺ کے توسط و توسل سے ہی عطا ہوتے ہیں۔ جب یہ بات متحقق ہوگئی کہ ان فضائل و کمالات کا وسیلہ آپ ﷺ ہی ہیں تو حضور ﷺ کو جامع کمالات و فضائل سمجھنا بدرجۂ اتم ثابت ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ کو مخلوق کے تمام علوم و معارف کا سرچشمہ جانتے ہوئے اعلیٰ ترین مقام و منصب پر فائز سمجھنا تقاضائے اِیمان بن جاتا ہے۔ اب حضور ﷺ کی نسبت یہ باتیں کرنا کہ آپ ﷺ اُمت کے احوال سے آگاہ ہیں یا نہیں؟ آپ سے استعانت اور توسل جائز ہے یا نہیں؟ آپ ﷺ کسی کو کچھ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنے لئے بخشش و مغفرت اور نعمتیں طلب کرنا جائز ہے یا حرام؟ یہ سب دراصل کمزور علم اور ضعیف بلکہ ناقص ایمان رکھنے والے لوگوں کی باتیں ہیں۔ فیوضاتِ محمدی ﷺ کی نفی یا ضعف ثابت کرکے عقیدۂ توحید کو تقویت دینے کا رجحان نہ صرف کج فہمی ہے بلکہ بہت بڑا ابلیسی فتنہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس طرح کے ایمانی نقائص سے ہم سب کو محفوظ فرمائے۔

معجزہ اور کرامت سے متعلق ایک اشکال کا اِزالہ

اس مقام پر بعض لوگوں کے ذہن میں ایک اشکال وارد ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ یہ سب واقعات انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات اور اعزازات ہیں یا اولیاء کرام کی کرامات ہیں۔ معجزہ اور کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتے ہیں۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ نبی اور رسول کا معجزہ ہو، ولی کی کرامت ہو یا عام بندوں کے افعال، اِن سب کا خالق اور فاعلِ حقیقی بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ بندوں کی طرف اِن تمام افعال کی نسبت خواہ وہ اُمور عادیہ ہوں یا غیر عادیہ، تحت الاسباب ہوں یا فوق الاسباب، ظاہری اور صوری طور پر ہوتی ہے۔ لہٰذا افعال میں عادیہ اور غیر عادیہ کی تقسیم یا ما تحت الاسباب اور مافوق الاسباب کی تقسیم، حقیقی و مجازی کی تقسیم کے ہوتے ہوئے نہ صرف غیر ضروری بلکہ غلط، جاہلانہ اور گمراہ کن ہے۔

عام افعال کی طرح معجزاتِ انبیاء اور کرامات اولیاء کے ساتھ بھی دو قدرتیں متعلق ہوتی ہیں۔ ایک انبیاء و رسل عظام علیہم السلام اور اولیاء و محبوبانِ خدا کی قدرت بہ لحاظِ کسب اور دوسری اللہ جل مجدہٗ کی قدرت بلحاظِ خلق و ایجاد۔ معجزات اور کرامات کا اِسناد انبیاء و اولیاء کی طرف بہ لحاظ کسب ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بہ لحاظ خلق ہے۔ جس طرح عام لوگوں کی قدرت و اختیار میں افعالِ عادیہ ہوتے ہیں۔ اِسی طرح انبیاء و اولیاء کی قدرت و اختیار میں افعال غیر عادیہ بھی رکھے گئے ہیں۔ جس طرح عام لوگوں کی قدرت میں اُمور ما تحت الاسباب ہوتے ہیں اسی طرح انبیاء و اولیاء کی قدرت میں ما فوق الاسباب بھی رکھے گئے ہیں۔ یہی ان کا شرف و امتیاز ہے اور مقام و اختصاص۔ اسی شرف کی عملی شکل معجزہ و کرامت کا صدور ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پتھر پر عصا مار کر چشمے جاری کرنا اور یدِ بیضاء کا معجزہ ان کے ارادہ اور رضا ہی سے ظاہر ہوتا تھا۔ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کا مٹی کے مجسمے بنانا اور پرندوں کی شکل و صورت بنا کر روح پھونک دینا بھی ان کے قصد و ارادہ اور رضا سے تھا

اور برص، کوڑھ کو دور کرنا اور مادر زاد اندھوں کو روشن آنکھیں عطا کرنا ان کے قصد و ارادہ اور ان کی رضا اور کسب و سببیّت سے ہی ہوتا تھا اور ہزاروں مریض روزانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پھیرنے سے شفایاب ہوتے تھے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا کفار و مشرکین کے مطالبے پر درختوں کو جڑوں سمیت چلانا، پتھر کو پانی پر تیرانا، چاند کو دولخت کرنا، انگلیوں سے چشمے جاری فرمانا اور اُمِ معبد کی لاغر و نحیف بکری سے دودھ جاری کرنا یہ معجزات اتفاقاً نہیں بلکہ آپ ﷺ کے قصد و ارادہ، مرضی اور کسب و سببیت کے طور پر ظہور پذیر ہوئے۔

اولیاء اللہ کا خوارقِ عادت اُمور میں تصرف

انبیاء و رسل عظام علیہم السلام کو معجزات اور اولیائے کو کرامات کے معاملہ میں جبریہ کی طرح مجبور محض ماننا کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ خلق و ایجاد صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے شایانِ شان ہے اور بطریق کسب و سببیّت اور بطورِ عادت تدبیر و تصرف ان کی حسبِ شان ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ نے تاثیرات اولیاء پر کلام کرتے ہوئے تفسیرِ عزیزی میں کیا خوب لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

> ”کاملیت کی دوسرے ناقص لوگوں میں تاثیر جس کو اہلِ طریقت عرف اور اصطلاح میں توجہ کہتے ہیں، چار قسم کی ہے۔ اول **انعکاسی**، دوئم **اِلقائی**، سوم **اصلاحی** اور چہارم **اتحادی**۔ تاثیرِ اتحادی یہ ہے کہ شیخ و مرشد اپنی روح کو جو کہ کمال کے ساتھ موصوف ہوتی ہے۔ مستفید و مسترشد کی روح کے ساتھ پوری قوت کے ساتھ متحد کر دیتا ہے حتی کہ شیخ کی روح میں مسعود کمال مرید کی روح میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اور تاثیر کی اقسام میں سے یہ قسم سب سے قوی تر ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ دونوں روحوں کے اتحاد کا تقاضا اور اثرِ مترتّب یہی ہے کہ جو شیخ کی روح میں کمال ہوگا وہ مرید کی روح کو حاصل ہو جائے گا اور بار بار

استفادہ کی حاجت نہیں رہے گی۔ اَولیاء اللہ میں اس قسم کی تاثیر کا ظہور نادر طور پر ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ العزیز سے منقول ہے کہ ایک دن ان کے ہاں چند مہمان آئے اور ماحضر موجود نہیں تھا۔ مہمان نوازی کی فکر میں انہیں پریشانی لاحق ہوئی، ضیافت کے سامان کیلئے باہر نکلے، اتفاقاً آپؒ کے مکان سے متصل نانبائی کی دکان تھی وہ اس تشویش پر مطلع ہوا تو اس نے روٹی اور سالن تیار کر کے خدمت میں پیش کیا۔ انہیں اس حسنِ سلوک سے بہت خوشی ہوئی حتی کہ اس کو فرمایا مانگ جو مانگنا چاہتا ہے۔ نانبائی نے اپنی سمجھ کے مطابق عرض کیا ''مجھے اپنے جیسا بنا دیں''۔ آپؒ نے فرمایا تو اس حالت کا متحمل نہیں ہوسکتا کوئی دوسری چیز طلب کر۔ اس نے اسی مطالبہ پر اصرار کیا اور آپ اس سے اعراض فرماتے رہے، جب اس کی لجاجت اور اصرار زیادہ ہوا تو آپ ناچار نانبائی کو حجرہ میں لے گئے اور اس پر توجہ اتحادی فرمائی، جب وہ حجرہ سے باہر آئے تو حضرت خواجہ باقی باللہ اور نانبائی کے درمیان شکل وصورت میں کوئی فرق نہیں رہ گیا تھا اور لوگوں کو ان کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہو چکا تھا۔ صرف اتنا فرق محسوس ہوتا تھا کہ حضرت خواجہ باقی باللہ حالتِ ہوش میں تھے اور وہ نانبائی مدہوش اور بے خود تھا۔ بالآخر تین دن کے بعد اسی حالتِ سُکر و مدہوشی میں انتقال کر گیا۔ اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے۔ (۱)

اس سے یہ امر عیاں ہوا کہ اولیاء اللہ میں اپنے کسب و اختیار اور تدبیر وتصرف اور فعل و تاثیر سے خوارقِ عادت اُمور کے صادر کرنے اور سرانجام دینے کی صلاحیت اور قوت موجود ہوتی ہے اور وہ ناقصین کو کاملین بنانے پر قادر ہوتے ہیں۔ ان سے ایسے اُمور اتفاقاً اور بلا قصد و بلا ارادہ نہیں بلکہ اپنے کسب و اختیار اور تصرف سے صادر ہوتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ''تفسیر عزیزی (۱: ۹)'' میں اِیَّاکَ

(۱) شاہ عبدالعزیز، تفسیر عزیزی، ۳: ۲۴۵

نستعین کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اس جگہ یہ اَمر جاننا ضروری ہے کہ مطلق اِستعانت غیر سے حرام نہیں بلکہ اس طرح حرام ہے کہ استعانت چاہنے والا اس شخص پر بھروسہ کرے اور یہ نہ سمجھے کہ حاجت رو اللہ ﷻ ہے اور یہ شخص سبب ظاہری ہے اور اگر ایسا اعتقاد کر کے غیر سے استعانت کرے اور اس غیر کو مظہرِ عونِ اِلٰہی سمجھے سو ایسی استعانت شرع میں جائز اور روا ہے۔ انبیاء و اولیاء علیہم السلام نے اس طرح کی استعانت غیر کے ساتھ کی ہے۔ اور درحقیقت ایسی استعانت بالغیر نہیں بلکہ استعانت خدا کے ساتھ ہے۔''

مولانا اشرف علی تھانوی دیوبندی ''امداد الفتاوٰی'' کی کتاب العقائد والکلام میں لکھتے ہیں کہ مخلوق کی غیر مستقل قدرت مان کر اس سے استمداد جائز ہے اگرچہ میت ہی سے مانگی جائے۔ ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

''جو اِستعانت و اِستمداد باعتقاد علم و قدرت مستقل ہو وہ شرک ہے اور جو باعتقاد وعلم و قدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم قدرت کسی دلیل سے ثابت ہو جائے تو جائز ہے۔ خواہ مستمد منہ (یعنی جس سے مدد طلب کی جائے) زندہ ہو یا وصال پا چکا ہو۔''(۱)

مذکورہ اقتباس سے ثابت ہوا کہ مخلوق زندہ ہو یا میت، ان کی غیر مستقل قدرت مان کر ان کے توسل سے مدد و اِعانت طلب کرنا جائز اور مشروع ہے۔ یہ شرک اور بدعت نہیں ہے۔

(۱) تھانوی، اِمداد الفتاوی، کتاب العقائد والکلام، ۴: ۹۹

فصل دُوُم

بعد اَز وصال اِستعانت و اِستغاثہ

﴿فرائض ونوافل کے ذریعے قربِ الٰہی پر مشتمل حدیثِ قدسی کی بحث﴾

www.MinhajBooks.com

مشہور حدیثِ قدسی کے مطابق بندہ فرائض کی ادائیگی اور نوافل پر مداومت کے ذریعے ایسے مقامِ قرب پر متمکن ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قوتوں اور قدرتوں کا مظہر بن جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی رضا و ناراضی اس سے وابستہ ہو جاتی ہے۔ اس مقامِ قرب میں بندۂ مومن کے مشاہدات اور تصرفات میں جو غیر معمولی اضافہ ہوتا ہے اس کا فیض بعد از وصال بھی جاری و ساری رہتا ہے۔ اولیاء اللہ جو اس مقامِ رفیع پر فائز ہوں ان سے دعائیں کروانا، ان سے استعانت و استغاثہ گویا اللہ رب العزت سے استعانت ہوتی ہے۔ ذیل میں سب سے پہلے حدیثِ قدسی اور بعد ازاں محدّثین و مفسرین اور ائمۂ دین کی شروحات ملاحظہ کریں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللهَ تَعَالٰى قَالَ: مَنْ عَادٰى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ: كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَ بَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَ يَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ وَلَئِنْ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيْذَنَّهُ۔ (۱)

’’اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جو میرے کسی ولی کے ساتھ عداوت و دشمنی رکھے گا

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، باب التواضع، ۵: ۲۳۸۴، رقم: ۶۱۳۷

میں اُس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں۔ میرا بندہ میری کسی ایسی محبوب چیز کے ذریعے میرا قرب حاصل نہیں کر سکتا جو میں نے اس پر فرض کی ہیں، اور بندہ ہمیشہ نوافل (کی کثرت اور فراوانی) کے ذریعے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں۔ پس جب اس کو محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے۔ اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے پکڑتا ہے۔ اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن کے ساتھ چلتا ہے اور اگر وہ محبوب بندہ مجھ سے سوال کرے گا تو میں اسے ضرور بالضرور مطلوبہ چیز دوں گا اور اگر مجھ سے پناہ طلب کرے گا تو ضرور بالضرور اس کو پناہ اور تحفظ مہیا کروں گا۔‘‘

امام ابنِ حجر عسقلانی اور دیگر ائمہِ حدیث سے مروی حدیثِ مبارکہ میں یہ کلمات بھی منقول ہوئے ہیں۔

وَلِسَانَهُ الَّذِي يَتَكَلَّمُ بِهِ۔ (۱)

’’اور اس کی زبان بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ کلام کرتا ہے۔‘‘

ابو یعلی اور دیگر ائمۂ حدیث سے مروی حدیثِ مبارکہ میں یہ الفاظ بھی ہیں:

وَفُؤَادَهُ الَّذِي يَعْقِلُ بِهِ۔ (۲)

---

(۱) ۱۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۱: ۳۴۴
۲۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، ۱: ۳۵۹
۳۔ أبو نعیم، حلیة الاولیاء، ۱۰: ۸۲
۴۔ بیہقی، کتاب الزهد الکبیر، ۲: ۲۷۰، رقم: ۶۹۸
(۲) ۱۔ أبو یعلی، المسند، ۱۲: ۵۲۰، رقم: ۷۰۸۷
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۸: ۲۰۶، رقم: ۷۸۳۳
۳۔ بیہقی، کتاب الزہد الکبیر، ۲: ۲۷۰، رقم: ۶۹۸

’’اور اس کا دل بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ فہم و شعور حاصل کرتا ہے۔‘‘

اور بعض روایات میں یہ کلمات بھی منقول ہیں:

فَبِیَ یَسْمَعُ وَ بِیَ یُبْصِرُ وَ یَبْطِشُ وَ بِیَ یَمْشِی۔(۱)

’’پس وہ میرے نور سے سنتا ہے، میرے نور سے دیکھتا اور پکڑتا ہے اور میرے نور سے ہی چلتا ہے۔‘‘

اس حدیثِ قدسی سے یہ امر عیاں ہوا کہ نوافل و مستحبات کی کثرت سے بندہ مقامِ محبوبیت پر فائز ہوجاتا ہے۔ وہ اللہ ﷻ کے انوار و تجلیات اور فیوض و برکات سے منور ہوجاتا ہے اور وہی انوار اس بندہ محبوب کے حواس اور اعضاء بن جاتے ہیں۔ اس لئے اس بندۂ محبوب کا دیکھنا، سننا، چلنا، پکڑنا، بولنا اور سوچنا عام لوگوں سے مختلف ہوجاتا ہے۔ چونکہ یہ انوار و برکات مقامِ محبوبیت کا ثمر اور نتیجہ ہوتے ہیں۔ بندہ محبوب بعد از موت و وفات بھی محبوب و مقرب ہوتا ہے اس لئے اپنے وصال کے بعد اس کے علوم و معارف، شعور و اِدراکات، احساسات اور تدبیر و تصرف کی طاقتیں اور قوتیں عام اہلِ ایمان سے قوی تر اور مؤثر ترین ہوتی ہیں۔ جب ان کی ارواحِ مقدسہ سے توسل اور استمداد و استعانت کی جاتی ہے تو وہ بندۂ محبوب اپنے چاہنے والوں کی مدد و اعانت کرتا ہے۔

مفسرین و محدّثین کی تصریحات

ائمۂ مفسرین و محدّثین نے اپنے ذوق اور علم کے پیشِ نظر اس امر پر روشنی ڈالی ہے۔

www.MinhajBooks.com

(۱) ۱۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۲: ۵۸۰
۲۔ حکیم ترمذی، نوادر الأصول فی أحادیث الرسول، ۳: ۸۱
۳۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۱: ۳۴۴

۱۔ امام فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں:

وکذلک العبد إذا واظب علی الطاعاتِ بلغ إلی المقام الذی یقول اللہ کنت لهُ سمعاً وبصرًا فإذا صار نور جلال اللہ سمعاً له سمع القریب والبعید، وإذا صار ذالک النّور بصرًا له رأی القریب والبعید واذا صار ذلک النّور یدًا لهُ قدر علی التصرّفِ فی الصعب والسهل والقریب والبعید۔(۱)

''ایسے ہی کوئی بندۂ محبوب جب طاعات پر مداومت اختیار کرے تو اس مقامِ محبوبیت پر فائز ہوجائے گا جس کے بارے میں اللہ ﷻ کا ارشاد ہے کہ میں اس کے کان اور آنکھ بن جاتا ہوں۔ پس جب اللہ تعالیٰ کا نور بندۂ محبوب و مقرب کے کان ہوجاتا ہے تو وہ قریب اور بعید سے سنتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کا نور اس کی آنکھ بن جاتا ہے تو وہ بعید و قریب کو دیکھتا ہے۔ اور جب اللہ ﷻ کا نور بندے کا ہاتھ بن جاتا ہے تو وہ مشکل اور آسان کاموں پر قریب و بعید میں تصرف پر قادر ہوجاتا ہے۔''

۲۔ علامہ محمود آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

فقد یمنح العبد قرب النوافل فیکون الحق ﷻ بصرهُ الّذی یبصر بهِ و سمعهُ الذی یسمع بهِ و قد یرقی من ذالک إلی قرب الفرائض فیکون نورًا فهناک یکون الغیب لهُ شهودًا والمفقود لدینا عندهُ موجودًا۔(۲)

''کبھی بندے کو نوافل کا قرب (یعنی ان پر مرتب نور) عطا کیا جاتا ہے تو اللہ

(۱) رازی، التفسیر الکبیر، ۲۱: ۷۷

(۲) آلوسی، روح المعانی، ۱: ۱۰۷

تعالیٰ اُس کی آنکھ بن جاتا ہے جس سے سنتا ہے اور کبھی اُس سے ترقی کر کے قربِ فرائض (یعنی ان کی بدولت پہلے سب بھی اونچے درجات تک پہنچتا ہے) تو سراسر نور بن جاتا ہے۔ اِس مقام پر اُس بندۂ محبوب و مقرب کے لئے غیب، مانندِ شہود یعنی صاف ہو جاتا ہے اور جو ہمارے لحاظ سے ناپید اور معدوم ہوتا ہے وہ اُس کے سامنے آئینۂ حال میں موجود و مشہود ہوتا ہے۔‘‘

۳۔ ملا علی قاری حنفیؒ لکھتے ہیں:

والمواظبة على العلم والعمل وفيضان الأنوار الإلهية حتى يقوى النور وينبسط في فضاء القلب، فتنعكس فيه النقوش المرتسمة في اللوح المحفوظ ويطلع على المغيبات ويتصرف في أجسام العالم السفلي، بل يتجلى حينئذٍ الفياض الأقدس بمعرفة التي هي أشرف العطايا فكيف بغيره۔(۱)

’’علم و عمل پر اور انوارِ الٰہیہ کے فیضان پر مداومت سے وہ نور قوی ہو جاتا ہے اور قلب کی فضاء میں پھیل جاتا ہے۔ تب اُس پر لوحِ محفوظ میں مرقوم نقوش کا عکس پڑنے لگتا ہے اور وہ اُمورِ غیبیہ پر مطلع ہو جاتا ہے اور نچلے جہان میں تصرف کرتا ہے۔ بلکہ خود فیاضِ مطلق یعنی رب تعالیٰ اپنی معرفتِ کاملہ کے ساتھ اِس پر جلوہ گر ہوتا ہے جو کہ تمام انعامات سے بلند مرتبہ عطا و بخشش ہے۔‘‘

۴۔ شیخ عبد الحق محدّث دہلویؒ اکابر اسلاف میں سے ہیں۔ ان کے اقوال کو تمام مکاتبِ فکر معتبر سمجھتے ہیں۔ آپ انبیاء و اولیاء کے قصد و ارادہ اور اس کے ثمرات و نتائج کے حوالے سے لکھتے ہیں:

گفته اند بسم اللّٰه الرحمن الرحيم۔ از عارف همچوں کلمه

(۱) ملا علی قاری، مرقاة الفاتيح شرح مشکاة المصابيح، ۱: ۶۲

کن است از پروردگار تعالیٰ و تقدس۔[1]

’’اجل علماء نے کہا ہے کہ عارف ربانی کی زبان سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا صادر ہونا اس طرح مؤثر اور مفیض ومفید مطلب ہوتا ہے جیسے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے کلمہ کُن کہ اس کے بعد فوری طور پر وہ شے موجود ہو جاتی ہے۔‘‘

اسی طرح عارف ربانی کسی کام کے ارادہ پر بسم اللہ شریف پڑھے تو وہ کام فوراً ہو جاتا ہے۔

آپ ’’أشعة اللمعات‘‘ میں أنبیاء کرام علیہم السلام اور أولیاء عظام رحمھم اللہ تعالی سے توسل و استمداد کے جواز پر لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

ولیت شعری چه مے خواهند ایشان باستمداد وامداد که ایں فرقه منکراند آنرا آنچه ما مے فهمیم از آں اینست که داعی محتاج فقیر الی اللّٰه، دعا مے کند و طلب مے کند حاجت خود را از جناب عزت وغناوے وتوسل مے کند بروحانیت ایں بنده مقرب ومکرم در درگاهِ عزت وے، وے گوید خداوندا به برکت ایں بنده تو که رحمت کردۂ بروے واکرام کردۂ او را وبلطف وکرمے که بوے داری برآورده گرداں حاجت مرا، که تو معطی کریمی۔ یا ندا مے کند ایں بنده مکرم ومقرب را که اے بنده خدا اے ولی وے شفاعت کن مراد بخواه از خدا که بد هد مسئول ومطلوب مرا وقضا کند حاجت مرا۔ پس معطی ومسئول ومامول

(۱) عبدالحق محدث دہلوی، اشعة اللمعات، ۲: ۲۴۰

پروردگار است تعالیٰ وتقدس ونیست ایں بندہ درمیان مگر وسیلہ۔ ونیست قادر وفاعل ومتصرف در وجود مگر حق سبحانہ و اولیاء خدا فانی وھالک اند در فعل الٰہی وقدرت وسطوت وے ونیست ایشاں را فعل وقدرت و تصرف نہ اکنوں کہ درقبور اند وندر آں ھنگام کہ زندہ بودند در دنیا۔(۱)

’’کاش میری عقل ان لوگوں کے پاس ہوتی! جو لوگ اولیاء اللہ سے استمداد اور ان کی امداد کا انکار کرتے ہیں، یہ اس کا کیا مطلب سمجھتے ہیں؟ جو کچھ ہم سمجھتے ہیں، وہ یہ کہ دعا کرنے والا، اللہ کا محتاج ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا، اس سے اپنی حاجت کو طلب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ولی ومقرب کا وسیلہ پیش کرتا ہے۔ وہ عرض کرتا ہے کہ اے اللہ! تو نے اپنے اس بندۂ مکرم پر جو رحمت فرمائی ہے اور اس پر جو لطف وکرم کیا ہے اس کے وسیلہ سے میری اس حاجت کو پورا فرما کہ تو دینے والا کریم ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اس اللہ کے ولی کو ندا کرتا ہے اور اس کو مخاطب کر کے یہ کہتا ہے کہ اے بندہ خدا اور اے اللہ کے ولی! میری شفاعت کریں اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ وہ میرا سوال اور مطلوب مجھے عطا کرے اور میری حاجت برلائے، سو عطا کرنے والا اور حاجت کو پورا کرنے والا (ہر دو صورتوں میں) صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ بندہ درمیان میں صرف وسیلہ ہے جبکہ قادر، فاعل اور اشیاء میں تصرف کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اولیاء اللہ، اللہ تعالیٰ کے فعل، سطوت، قدرت اور غلبہ میں فانی اور ہالک ہیں اور اِن کو اب قبر میں افعال پر (اُس جیسی) قدرت اور تصرف حاصل ہے اور نہ اس وقت قدرت اور تصرف حاصل تھا جب وہ زندہ تھے۔‘‘

(۱) عبدالحق محدث دہلوی، اشعة اللمعات، ۳: ۴۰۱

۵۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ لکھتے ہیں:

اما قرب نوافل آنست که صفاتِ بشریه سالک از وے زائل شود و صفاتِ حق بروئے ظاهر آئیند۔ چنانچه زنده گرداند مرده را و بیمراند زنده را باذن اللّٰه و بشنود و بیند از جمیع بدن خود و بشود مسموعات را وبه بیند مبصرات را از بعید۔ وعلی هذا القیاس باقی صفات وے سوائے ایں وهمیں فنائے صفات بنده است بصفاتِ حق تعالی و ایں ثمره نوافل است۔[1]

’’قربِ نوافل یہ ہے کہ سالک کی بشری صفات اِس سے زائل ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات اُس پر ظاہر اور غالب آ جائیں۔ چنانچہ وہ بندہ اللہ ﷻ کے اذن سے مردوں کو زندہ کرنے لگے اور زندہ لوگوں کو مارنے لگے اور تمام بدن کے ساتھ سنے و دیکھے۔ تمام مسموعات کو سنے اور مبصرات کو دیکھے۔ اِسی پر قیاس کرتے ہوئے اُس کی دیگر صفات بھی فنا ہو جائیں اور یہی ہے بندے کی صفات کا فنا ہونا اللہ تعالیٰ جل شانہ کی صفات کے ساتھ۔‘‘

۶۔ علامہ ابنِ قیمؒ لکھتے ہیں:

هذه الفراسة نشأت له من قربه من الله فإن القلب إذا قرب من الله انقطعت عنه معارضات السوء المانعة من معرفة الحق وإدراكه كان تلقيه من مشكاة قريبةٍ من الله تعالٰى بحسب قربه منه وأضاء له النور بقدر قربه فرأى فى ذلک النور ما لم يره البعيد والمحجوب كما ثبت فى الصحيح من حديث أبى هريرة عن

(۱) امداد اللہ مہاجر مکی، ضیاء القلوب: ۳۰

النبی ﷺ فیما یروی عن ربه ﷻ أنه قال: ما تقرّب إليَّ عبدی بمثل ما افترضت عليه ولا يزال عبدی يتقرّب إليَّ بالنوافل.....۔(۱)

’’یہ فراست و بصیرت بندۂ مؤمن کے لیے اللہ جل شانہ کے قرب سے پیدا ہوتی ہے، کیونکہ قلب جب اللہ ﷻ کے قریب ہو جاتا ہے تو اس سے وہ تمام فواحش اور برائی والے موانع دور ہو جاتے ہیں جو بندے کو اس معرفتِ ربانی اور اس کے ادراک سے باز رکھتے ہیں جس کی معرفت و علم کا حصول بندے کے قرب کے مطابق اللہ تعالیٰ کے قریب والی مشکاۃ (نور) سے ہوتا ہے، پھر بندے کے قرب کے مطابق اس کیلئے نورِ حق روشن ہو جاتا ہے۔ پس وہ اس نور کی روشنی میں وہ کچھ دیکھتا ہے جس کو دور والا اور محجوب شخص نہیں دیکھ سکتا، جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ثابت ہوتا ہے جسے انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ ان احادیث میں سے جو آپ ﷺ اپنے رب سے روایت فرماتے ہیں (یعنی حدیثِ قدسی) جس میں اللہ جل شانہ نے فرمایا: میرا بندہ ان فعال کی وجہ سے میرے قریب نہیں ہوتا جو میں نے اس پر فرض کئے ہیں بلکہ میری قربت اسے ان افعال کے سبب نصیب ہوتی ہے جو نوافل کے درجے میں ہیں۔‘‘

حدیث کی تعبیر میں مغالطہ کے علمی جوابات

زیرِ بحث حدیثِ قدسی کی تعبیر و تشریح کرتے ہوئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بندہ محبوب کے کان آنکھ وغیرہ بننے کا یہ معنی و مفہوم نہیں کہ وہ سراسر نور بن جاتے ہیں اور قریب و بعید سے سنتے دیکھتے اور تصرف کر سکتے ہیں بلکہ اِس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ

(۱) ابن قیم، کتاب الروح: ۱۳۸، ۱۳۹

اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہو جاتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ محض مغالطہ ہے جو حدیثِ مبارکہ کا صحیح معنی ومفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا۔ اسکے درج ذیل جوابات ہیں:

۱۔ پہلا جواب تو یہ ہے کہ مندرجہ بالا مفہوم الفاظِ حدیث کے صریح خلاف ہے، حدیث کے الفاظ اس تشریح وتعبیر کی تائید نہیں کرتے۔ حدیث کے الفاظ واضح ہیں: كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَ بَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَ يَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِيْ بِهَا (میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے۔ اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے پکڑتا ہے۔ اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن کے ساتھ وہ چلتا ہے۔) حضور نبی اکرم ﷺ کی زبانِ اقدس سے اللہ ﷻ کی طرف سے مطلقاً فرمان صادر ہوا ہے، جسے اپنے عقیدہ کو بچانے کے لئے محض عقلی بناء پر مقید نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا صرف یہ کہنا کہ اس سے مراد اعضاء وجوارح کا اللہ رب العزت کے تابع ہونا ہے، صراحۃً غلط اور باطل ہے۔

۲۔ اگر معترض کو اس سے بھی تسلی نہیں ہوئی تو حدیث کے اگلے الفاظ کی کیا تشریح ہوگی، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيْذَنَّهُ (اگر وہ محبوب بندہ مجھ سے سوال کرے گا تو میں اسے ضرور بالضرور مطلوبہ چیز عطا کروں گا اور اگر مجھ سے پناہ طلب کرے گا تو ضرور بالضرور اس کو پناہ مہیا کروں گا۔) اگر مقرب و محبوب بندہ کے صرف اعضاء، اللہ تعالیٰ کے تابع ہوئے ہیں، اور اس کو بارگاہِ الٰہی سے نور اور روحانیت نصیب نہیں ہوئی تو اس کے سوال کو پورا کرنے اور پناہ عطا کیے جانے کو اتنی تاکید سے کیوں بیان فرمایا ہے۔ تاکید در تاکید سے بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مقربانِ الٰہی کو خاص الخاص مقام عطا ہوتا ہے جو کسی دوسرے کو نہیں ملتا۔

۳۔ جس بندے نے ساری زندگی اطاعتِ الٰہی میں بسر کر دی ہو اور فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ نوافل پر بھی مداومت اختیار کی ہو تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس کے اعضاء وجوارح پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرمان بردار تھے جس بناء پر وہ

محبوبِ حقیقی کی اطاعت وعبادت میں مشغول رہا اور اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ بن گیا۔ اگر معترضین کی تعبیر وتشریح کو مان لیا جائے تو یہ بڑی حیرت والی بات ہوگی کیونکہ وہ بندہ جس نے ساری زندگی مداومتِ نوافل پر بسر کر دی ہے کیا محبوبیت کے بلند درجہ پر فائز ہونے کے بعد اب وہ اس قابل ہوا ہے کہ اس کے 'اعضاء و جوارح' اللہ کے 'مطیع' ہوں؟ وہ جو ساری زندگی قیام، قعود اور حالتِ جنوب میں رب العزت کو پکارتا رہا ہے کیا نافرمانی کے ساتھ پکارتا رہا ہے؟ افسوس صد افسوس! ایسے حضرات نے قرآن و حدیث کو سمجھنے میں نہایت غلطی کی ہے۔ کاش! وہ قرآن و حدیث کے ان نصوص پر غور کرتے جن کے ذریعہ دورانِ عبادت ہی ہمیں اپنے اعضاء و جوارح کو اطاعتِ الٰہی میں رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور قبولیتِ عبادت کا انحصار ہی اس بات پر ہے کہ دورانِ عبادت ہمارے اعضاء بھی اللہ رب العزت کے تابع ہوں۔

(۱) اللہ رب العزت نے 'نمازیوں' کے بارے میں فرمایا:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ○[1]

''پس افسوس (اور خرابی) ہے ان نمازیوں کے لئے○ جو اپنی نماز (کی روح) سے بے خبر ہیں○''

(۲) اللہ رب العزت نے 'صدقات' کے بارے میں فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى۔[2]

''ایمان والو! اپنے صدقات احسان جتا کر اور دُکھ دے کر برباد نہ کر لیا کرو۔''

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) الماعون، ۱۰۷: ۴-۵

(۲) البقرة، ۲: ۲۶۴

رُبَّ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا الْجُوْعُ۔(۱)

’’کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں جنہیں روزوں سے سوائے بھوک کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔‘‘

درج بالا قرآنی آیات اور حدیثِ مبارکہ کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کوئی بھی عمل خواہ ’نماز، روزہ اور صدقہ‘ ہی کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ کے حضور اس وقت تک ’قبولیت‘ کے درجہ پر فائز نہیں ہوتا جب تک کہ انسان کے اعضاء اور خیال بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں نہ ہوں۔ یاد رکھیں کہ ان نصوص میں ’عَبد‘ (صرف بندہ) کی بات ہو رہی ہے ’عَبْدِی‘ (میرا بندہ) کی نہیں۔ جب بندہ ہر لحاظ سے اطاعت میں کامل ہوتا ہے اور اس کے تصور و خیال اور ذہن و فکر میں اُس ’اللہ‘ کے سوا کسی غیر کی محبت اور تصور باقی نہیں رہتا تو وہ ’عَبد‘ سے ’عَبْدِی‘ کے مقام پر پہنچتا ہے اور ’عَبْدُهُ‘ (اللہ کا بندہ) بن کر ’محبوبیت‘ کے درجہ پر فائز ہوتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں محبوبیت کے مقام پر فائز ہونے والے ’مقرب بندے‘ کے اعضاء و جوارح ظاہراً تو اس کے نظر آ رہے ہوتے ہیں لیکن اُن میں قوت، نور اور روح باری تعالیٰ کی طرف سے کارفرما ہوتی ہے۔

مزید تسلی کے لئے دیوبند کے معروف محدّث علامہ انور شاہ کاشمیری کی شرحِ حدیث ملاحظہ فرمائیں:

أما علماء الشريعة فقالوا: معناه أن جوارح العبد تصير تابعة للمرضاة الإلهية حتى لا تتحرک إلا بما يرضى به ربه فإذا كانت غاية سمعه و بصره و جوارحه كلها هو الله سبحانه فهى حينئذ صحّ ان يقال إنه لا يسمع إلا له و لا يتكلم إلا له وكان الله سبحانه

(۱) ابن ماجه، السنن، كتاب الصيام، باب ما جاء فى الغيبة والرفث للصائم، ۱: ۵۳۹، رقم: ۱۶۹۰

صار سمعه و بصره۔

قلت: وهذا عدول عن حق الألفاظ لأن قوله كنت سمعه بصيغة المتكلم يدل على أنه لم يبق من التقرب بالنوافل إلا جسده وشبحه وصار المتصرف فيه الحضرة الإلهية فحسب۔(۱)

’’تاہم بعض علمائے شریعت نے کہا ہے: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ بندہ کے جوارح اور اعضاء اللہ رب العزت کی رضا مندیوں کے تابع ہو جاتے ہیں حتی کہ وہ اللہ کی رضا اور امر کے علاوہ ازخود حرکت نہیں کرتے۔ پس جب اِس کے کان آنکھ اور تمام اعضاء وجوارح کی غایت اللہ تعالیٰ کی ذات ہو تو اُس وقت اِن کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ نہیں سنتا مگر اللہ تعالیٰ کے لئے اور نہیں کلام کرتا مگر اللہ جل شانہ کے لئے۔ گویا اللہ تعالیٰ اُس کے کان، آنکھ ہو گیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اِس معنی میں حقیقی مفہوم و مراد سے دوری پیدا ہو رہی ہے اس تعبیر سے حدیثِ مبارکہ کے کلماتِ مقدسہ کے تقاضوں کا حق پورا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ’’كُنتُ سَمْعَهُ‘‘ صیغہ متکلم کے ساتھ اِس امر پر دال ہے کہ نوافل کے ذریعہ قرب حاصل کرنے والے کا صرف جسم اور ظاہری ڈھانچہ باقی رہ گیا اور اُس میں مدبر و متصرف اور کارساز صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ ہے۔‘‘

حدیث کے مختلف معانی میں تطبیق

دیگر شارحینِ حدیث کی طرح علامہ انور شاہ کاشمیری نے بجا طور پر حدیث کے مذکورہ بالا مفہوم کی تصحیح فرمائی ہے اور مرادی معنی کو اجاگر کیا ہے۔ اگر بہ دقتِ نظر دیکھا جائے تو دونوں معانی میں درحقیقت کوئی تضاد نہیں۔ کیونکہ مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کے اعضاء و جوارح کے نورانی بن جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ کا مظہر بن جانے اور رضائے

(۱) انور شاہ کاشمیری، فیض الباری، ۴: ۴۲۸

ربانی کی رضامندیوں کے تابع ہو جانے میں کوئی تعارض یا تناقض ہے ہی نہیں۔ بہ الفاظ دیگر ایک معنی کا اثبات دوسرے معنی کی نفی کو مستلزم نہیں ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جب نفس کی تاریکی وظلمت اور گناہوں کی آلائش غالب رہے گی تو برائیوں کی طرف میلان و رجحان بھی رہے گا اور جوں جوں فرض عبادت و ریاضت اور مجاہدہ وتقویٰ میں ترقی ہوتی جائے گی ویسے ویسے نفسانی خواہشات دم توڑتی جائیں گی۔ اِس طرح نفس کو نیکی اور بھلائی والے اُمور میں اطمینان وتسلی اور سکون و راحت محسوس ہوگی اور فواحش ومنکرات کی طرف اس کا میلان ختم ہوتا چلا جائے گا۔ جب حواس، اعضاء و جوارح اور قلب و روح اطاعتِ الٰہی میں مکمل طور پر نورانی ہو جائیں گے اور تقویٰ اور احکامِ شریعت کی پابندی طبیعتِ ثانیہ اور طبعی تقاضا بن جائے گی تو طبیعت پر جبر و اکراہ کی ضرورت ہی باقی نہیں رہے گی۔ پھر اس مطیع، محبّ اور متقی بندے کے افعال، ارادے اور اوصاف اس کے اپنے نہیں بلکہ اس میں متصرف ذاتِ باری تعالیٰ کی رضا کے تابع ہوں گے۔ جب کسی بندۂ خاص کو اس قدر مماثلت اور فنائیت حاصل ہو جائے تو لامحالہ وہ بندہ صفاتِ الٰہیہ کا مظہر ہو گا جب مظہر صفات ہو گیا تو اس میں تدبر وتصرف تو متصرف حقیقی کا ہی ہو گا۔ بندے کی اپنی ذات اور مرضی اب اس کے اختیار و قدرت میں نہیں رہے گی۔ وہ انوارِ الٰہیہ کا مظہر بھی ہو گا اور تصرفِ الٰہیہ کا محل بھی۔

اِس طرح دونوں مفاہیم میں منافات اور تضادات کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور دونوں اپنے اپنے محل اور مرتبہ میں پورا ہو جاتے ہیں۔ اگر معنی یہ مراد لیا جائے کہ ''وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہو جاتے ہیں'' تو یہ بھی غلط نہیں کیونکہ رب تعالیٰ کا مظہر ہونے کے لئے ابتدائی مرحلہ (stage) یہی ہوتی ہے، اور دوسرا معنی جب یہ کریں کہ وہ سراسر نور بن جاتے ہیں اور اُن کا تصرف کرنا ذاتی نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کا مظہر کہلاتا ہے تو اِس معنی کی تغلیط و تردید کرنا بھی قطعاً درست نہیں ہے، کیونکہ ترقی کے اعتبار سے یہ آخری مرحلہ (stage) ہوتی ہے جب بندہ باری تعالیٰ میں فنا ہو چکا ہوتا ہے۔

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ جب تک بندہ مومن اپنے آپ کو شریعتِ مطہرہ کا پابند نہ بنائے اور فرائض و واجبات بلکہ مستحبات کا التزام و اہتمام نہ کرے، محرمات و مکروہاتِ تحریمہ بلکہ تنزیہہ سے اجتناب پر ثابت قدم نہ ہو تو وہ محبوبیت کے درجہ پر فائز ہو ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا جو امر محبوبیت کے درجہ پر فائز ہونے کا سبب ہے اِس کو مقامِ محبوبیت کا نتیجہ و ثمر قرار دینا کس طرح مناسب ہو سکتا ہے؟ بصورتِ دیگر تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ فسق و فجور اور معصیت و سرکشی میں مبتلا لوگوں کو بھی دوست و محبوب بناتا ہے۔ الغرض پہلا معنی مراد لینا اور دوسرے معنی کی تردید کرنا چنداں درست نہیں ہے۔

حلول و اِتحاد کے فاسد عقیدہ کا رَدّ

بعض لوگ قربِ نوافل و فرائض والی اس حدیثِ قدسی کے ثمرات و فوائد یعنی فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے عقیدہ کو ہندوؤں کے عقیدے ''حلول و اتحاد'' پر قیاس کر کے شرک کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں۔ فی الواقع یہ سخت عدوان و طغیان ہے کیونکہ جمہور مسلمین اِس حدیثِ قدسی سے حلول و اتحاد والا فاسد و باطل عقیدہ ہرگز مراد نہیں لیتے۔

جمہور اُمت کا عقیدہ یہ ہے کہ مقبولانِ بارگاہِ الٰہی انبیاء و اولیاء کا ذاتِ حق کے جو تعلق قرب ہوتا ہے اس سے اِن کی ذوات و صفات نورانی بن جاتی ہیں۔ جس سے وہ عام اِنسانوں بلکہ عام اہلِ ایمان کی ذوات و صفات سے منفرد و ممتاز ہو جاتی ہیں مثلاً جس طرح سورج کا تعلق زمین سے ہوتا ہے اور یہ تعلق حلول و اتحاد والا نہیں بلکہ صرف تقابل والا ہے لیکن زمین کی ساری آبادی، اس کی بہاریں اور زندگی و پائندگی اِسی کے مرہونِ منت ہے۔ بعض عرفا نے لوہے اور آگ کی تمثیل سے بھی یہ تعلق قربت و ربط سمجھایا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ لوہے اور آگ میں حلول و اتحاد والا تعلق نہیں بلکہ اتصال و قرب والا تعلق و ربط ہے۔ یعنی لوہا جب ایک مخصوص وقت کے لئے دھکتی ہوئی آگ کے قریب پڑا رہے تو اس کے اندر رنگ اور اثر جیسی خصوصیات تو آگ والی ہی پیدا ہو جاتی

ہیں لیکن یہ لوہے کے اندر آگ کا حلول و اتحاد نہیں بلکہ اس کی قربت اور اثر کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح حدیثِ قدسی قربِ فرائض و نوافل سے بندے اور اللہ تعالیٰ کے مابین حلول و اتحاد والا تعلق قائم ہونا لازم نہیں بلکہ محبوبانِ الٰہی کو قربِ خاص اور پر کیف وصل حاصل ہوتا ہے جس کی بدولت وہ اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کے مظہر بن جاتے ہیں:

اتصال بے تکیف و بے قیاس
ھست ربُ الناس را باجانِ ناس

اگر کوہِ طور پر اللہ تعالیٰ کے نور کا ظہور ہوسکتا ہے اور وہ اُس سے منور و مستنیر ہو سکتا ہے۔ تو انبیاء و اولیاء کو اللہ تعالیٰ کی خصوصی قربت کے ذریعے اس کی صفاتی افعال و انوار کا محل قرار دینا کیوں صحیح نہیں۔ اگر چودھویں کے چاند میں سورج کا حلول و اتحاد مانے بغیر اِس کو مظہر اور آئینہ انوارِ شمسیہ کہا جاسکتا ہے تو مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کو یقیناً انوارِ الٰہیہ اور آئینہ تجلیات ربّانیہ کہا جا سکتا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ اِس ضمن میں لکھتے ہیں:

وفي هذا المقام يتحقق السير فى الله فإن العبد بعد الفناء المطلق الذى هو فناء الذات و فناء الصفات يخلع عليه الوجود الحقانى حتى يتشرف بذلک الوجود بالأوصاف الإلهية ويتخلق بالأخلاق الربانية و في هذا المقام يتحقق مرتبة بى يسمع و بى يبصر و بى يبطش و بى يمشى و بى يعقل، فإن الذات والصفات الفانية فى هذا المقام تتبدل بكسوة الوجود الباقى خارجة من قبر الخفاء الى محشر الظهور۔[1]

(۱) شاه ولى الله، الانتباه فى سلاسل أولياء الله، فصل فى الفناء والبقاء: ۵۳

’’اِس مقامِ فناء میں سیر فی اللہ متحقق ہوتی ہے کیونکہ فناءِ مطلق یعنی فناءِ ذات اور فناءِ صفات کے بعد بندہ کو وجودِ حقانی کی خلعت پہنائی جاتی ہے حتی کہ اِس وجودِ حقانی کی بدولت وہ اوصاف ربّانیہ کے ساتھ متصف ہو جاتا ہے اور وہ اخلاقِ الٰہیہ کے ساتھ انوار و تجلیات میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ تب وہ صفاتِ ربانیہ کے انوار و برکات اور فیضان سمیٹنے کے قابل ہو جاتا ہے وہ بندہ ذکر کو جس قدر لازم پکڑے گا اُسی کے مطابق ثمرہ و نتیجہ کا ظہور ہوگا۔‘‘

لہٰذا یہ امر عیاں ہوگیا کہ حُلول و اتحاد کے باطل ہندوانہ عقیدہ سے اہلِ ایمان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ دونوں جُدا جُدا چیزیں ہیں۔ حلول و اتحاد علیحدہ امر ہے اور قرب و وصلِ خداوندی میں فنا فی اللہ اور بقا باللہ علیحدہ امر ہے۔ اِن دونوں کو گڈمڈ کرنا اور ایک دوسرے پر قیاس کرنا کم علمی اور بے بضاعتی کی علامت ہے۔

خلاصۂ بحث

حدیثِ قدسی کا ائمہ محدثین کے نزدیک معنی و مفہوم یہ ہے کہ عبادت و ریاضت، فرائض کی پابندی اور نوافل کی کثرت و فراوانی سے بندہ مؤمن اپنی جسمانی کثافت اور نفسانی ظلمات سے خلاصی حاصل کر لیتا ہے۔ جب اسے علم و عمل اور تقویٰ کا نور حاصل ہو جاتا ہے اور اُس کی روحانیت پوری طرح نکھر جاتی ہے تو وہ پیکرِ نور بن جاتا ہے پھر وہ زندگی میں بھی اور بعد از وصال بھی بعطائے الٰہی اپنے متوسلین کی مدد و اعانت کرنے پر قادر ہوتا ہے۔

اَولیاء کرام کو اَصنام پر قیاس کرنا برہمنی وطیرہ ہے

انبیاء و اولیاء اور اصنام و اوثان کو ایک سطح پر رکھتے ہوئے دونوں سے استعانت و استمداد کرنے والوں کو مشرک قرار دینا خوارج اور برہمنوں سے مستعار لیا گیا وطیرہ ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے ایک برہمن کے سوال کا جواب دیتے ہوئے اس مسئلہ کو

بیان کیا ہے۔ ذیل میں ہم پہلے برہمن کا سوال درج کر رہے ہیں اور بعد میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا جواب۔ سوال سے مسئلے کی اصل نوعیت سمجھ آ جاتی ہے اور جواب سے عقیدہ صحیحہ معلوم ہو جاتا ہے۔

شما از اهلِ قبور مدد و شفاعت می طلبید با ید که برشما هم شرك عائد شود۔ القصّه هرچه مقصد شما و مراد شما از اهلِ قبور است هماں قسم مقصود من از صورت کنہیا و کالکاهست بحسب ظاهر نه قوت اهلِ قبور دارند و نه بت۔ واگر کوئی بقُوّتِ باطن اهلِ قبور کشائش حالات می نمایند بسا جا از بتاں هم روائی حاجات می شود۔ واگر میگوئید که بایشاں میگویم که از خدا برائے ما شفاعت بخواهید من از بتاں همیں استدعا دارم۔(۱)

''تم اہلِ قبور سے مدد اور شفاعت طلب کرتے ہو۔ پس چاہیئے کہ تم پر بھی ہماری طرح شرک عائد کر دیا جائے کیونکہ جو مقصد و مطلب تمہارا اہلِ قبور سے مدد و استعانت میں ہے وہی ''کنہیا'' اور ''کالکا'' کی صورتوں سے ہمارا مقصود و مدعا بھی ہے۔ ظاہری اعتبار سے نہ اہلِ قبور میں طاقت و قدرت ہے اور نہ ہی بتوں میں قدرت و طاقت ہے اور اگر باطنی قوت سے اہلِ قبور مشکل کشائی اور حاجت روائی کر سکتے ہیں تو بسا اوقات ان بتوں سے بھی حاجت روائی ہو جاتی ہے اور اگر تم اہلِ قبور کے پاس اس لئے آتے ہو تا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہاری شفاعت کریں تو ہم بھی اپنے بتوں سے یہی استدعا کرتے ہیں۔''

اس عبارت سے یہ امر واضح ہو رہا ہے کہ انبیاء و اولیاء کو اصنام و اوثان کی طرح سمجھنے والے لوگ ہندوانہ سوچ کے حامل ہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فتاویٰ عزیزیہ

(۱) شاہ عبدالعزیز، فتاویٰ عزیزی، ۲: ۱۰۸

میں اس برہمنی سوچ کا تدارک کرتے ہوئے جواب دیتے ہیں۔ ترجمہ ملاحظہ کریں:

’’مدد و استعانت کا چاہنا دو قسموں پر مشتمل ہے۔ پہلی قسم یہ ہے کہ مخلوق سے مدد مانگنا جیسے امیر اور بادشاہ سے نوکر اور گدا اپنے مشکل اور اہم معاملات میں مدد طلب کرتے ہیں اور عوام الناس اولیاء اللہ سے استدعا کرتے ہیں کہ اللہ ﷻ کی بارگاہ سے ہمارا فلاں مطلوب و مقصود طلب کریں۔ مدد و استعانت کی یہ قسم شریعتِ مطہرہ میں زندہ اور فوت شدہ ہر دو سے جائز ہے۔

’’دوسری قسم مدد و اعانت کی یہ ہے کہ مستقل طور پر وہ چیز جو بارگاہِ الٰہی سے براہِ راست تعلق رکھتی ہے مثلاً بیٹا عطا فرمانا، بارش برسانا امراض دور کرنا اور درازیٔ عمر وغیرہ عطا کرنا جو اللہ تعالیٰ سے طلب کی جاتی ہیں وہی مخلوق سے اسی نیت، ارادے اور طریقے سے طلب کی جائیں تو مدد و استعانت کی یہ قسم حرامِ مطلق بلکہ کفر ہے اور اگر اہلِ ایمان میں سے کوئی آدمی اپنے مذہب کے اولیاء (زندہ ہوں یا فوت شدہ) سے اس طرح کی استمداد و استعانت کرتا ہے تو وہ دائرہ اسلام اور زمرۂ اہلِ ایمان سے خارج ہو جائے گا۔ اس کے برعکس بت پرست اسی طرح کی مدد و اعانت اپنے معبودانِ باطلہ سے طلب کرتے ہیں اور اس کو جائز سمجھتے ہیں ..... اور یہ جو کہا گیا ہے کہ اہلِ قبور سے جو تمہارا مقصود ہے وہی ہمارا کنہیا اور کالکا وغیرہ سے ہے۔ یہ قول صریحاً غلط ہے کیونکہ ارواح کا اپنے بدن کے ساتھ جو قبر میں مدفون ہیں یقیناً تعلق قائم ہوتا ہے کیونکہ عرصہ دراز تک اس میں قیام پذیر رہے ہیں اس کے برعکس ہندو برہمن لوگ تو اپنے معبودوں کی قبروں کی تعظیم ہی نہیں کرتے (کیونکہ ہندوؤں کے بتوں کی تو قبریں ہی نہیں ہوتیں) بلکہ اپنی طرف سے صورتوں اور تراشیدہ پتھروں کو اور درختوں اور دریاؤں کو کہہ دیتے ہیں کہ یہ فلاں کی صورت ہے قطع نظر اس کے کہ اس چیز کا اس آدمی کی روح کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔‘‘

شاہ عبد العزیزؒ اس حوالے سے مزید لکھتے ہیں کہ علامہ سعد الدین تفتازانی نے شرح مقاصد میں بیان کیا ہے:

''قبور کی زیارت سے وفات یافتوں کے پاکیزہ نفوس سے نفع حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ جسم سے جدا ہونے والے نفس اور روح کو اپنے جسم سے اور قبر سے تعلق ہوتا ہے جس میں دفن کیا جاتا ہے لہٰذا جب زندہ شخص اس قبر کی زیارت کرتا ہے اور میت کے روح کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو دونوں نفوس و ارواح کے درمیان ملاقات پائی جاتی ہے اور فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں۔''(۱)

پس شاہ عبد العزیزؒ کے اس جواب سے واضح ہو گیا کہ انبیاء و اولیاء کو اصنام و اوثان کی طرح سمجھنا بالکل غلط ہے کیونکہ جب اصنام و اوثان کی قبریں ہی نہیں ہوتیں تو وہ کس طرح انبیاء و اولیاء کے مقدس ذوات اور ارواح کی مثل ہو سکتے ہیں؟ اَہل ایمان تو انبیاء و اولیاء کی مبارک قبروں پر حصولِ فیض کیلئے اس لئے جاتے ہیں کہ قبروں کے اندر ان کی مقدّس اَرواح کا ان کے پاکیزہ نفوس کے ساتھ تعلق قائم رہتا ہے۔

درج بالا عبارت سے یہ امر بھی عیاں ہوگیا کہ انبیاء و اولیاء اور اصنام و اوثان کو ایک سطح پر رکھتے ہوئے انبیاء کرام علیہم السلام اور و اولیاء عظام سے استعانت و استمداد کرنے والوں کو مشرک قرار دینے والے لوگ ہندوانہ سوچ کے حامل ہیں جبکہ قرآن و حدیث کے قوی دلائل سے ثابت ہیکہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام سے استعانت و استمداد کرنا جائز ہے۔

www.MinhajBooks.com

(۱) شاہ عبدالعزیز، فتاویٰ عزیزی، ۲: ۱۵۸

فصل سوُم

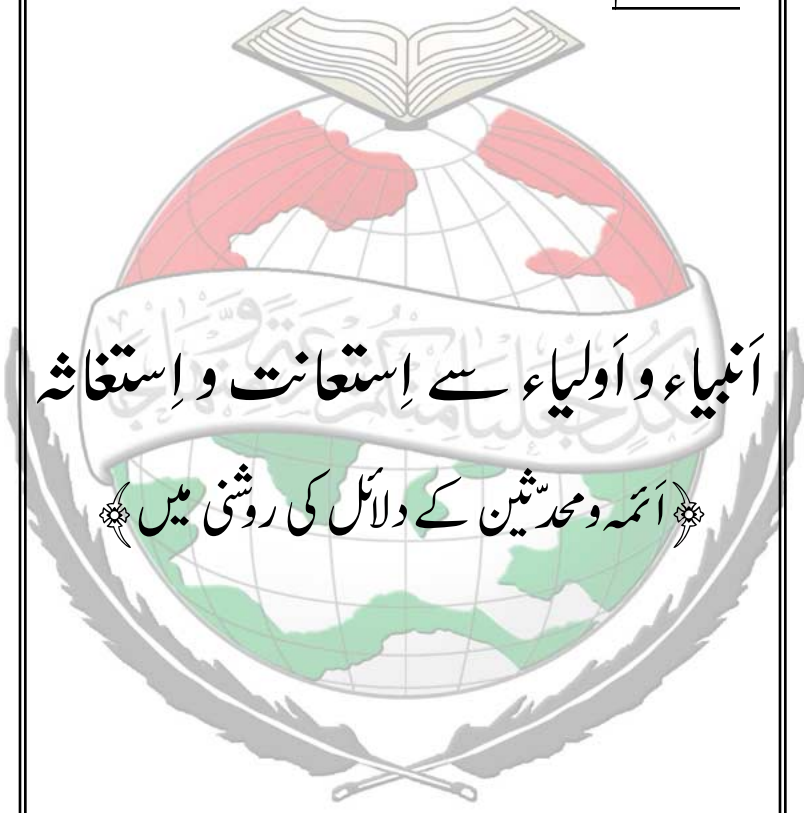

اَنبیاء و اَولیاء سے اِستعانت و اِستغاثہ

﴿ اَئمہ و محدّثین کے دلائل کی روشنی میں ﴾

www.MinhajBooks.com

بعد اَز وصال حیاتِ اَنبیاء و اَولیاء

معتزلہ کے علاوہ تمام اُمت کا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ حیاتِ برزخیہ برحق ہے۔ معتزلہ نے درحقیقت مُردوں کی حیات کی نفی کر کے عذابِ قبر کا انکار کیا تھا۔ علامہ سعد الدین تفتازانیؒ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

وأنكر عذاب القبر بعض المعتزلة والروافض لأن الميت جمادُ لا حياة لهُ ولا إدراک فتعذيبه محال۔(۱)

''بعض معتزلہ اور روافض نے عذابِ قبر کا انکار اس بنا پر کیا کہ ان کے نزدیک میت پتھروں کی طرح ہے جس میں نہ کوئی زندگی ہے نہ شعور اس لئے اسے عذاب دینا محال ہے۔''

ہمارا موضوع بحث اِس وقت حیاتِ انبیاء و اولیاء نہیں ہے اِس موضوع پر ہماری مستقل کتاب ''حیات النبی ﷺ'' موجود ہے۔ سرِدست اس قدر بیان پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ عام اموات اور بالخصوص انبیاء علیہم السلام، شہداء اور اولیاء کی حیاتِ برزخی پر پوری اُمت کا اجماع ہے۔

اسی وجہ سے علامہ ابنِ قیم نے لکھا ہے:

والسلف مجمعون على هذا، وقد تواترت الآثار عنهم بأن الميت يعرف زيارة الحيي له ويستبشر به۔(۲)

---

(۱) تفتازاني، شرح عقائد نسفی: ۷۲

(۲) ابن قيم، الروح، ۱: ۵

’’سلف صالحین کا اس پر اجماع ہے اور ان سے تواترِ آثار سے مروی ہے کہ بے شک عام میت (قبر میں) اپنے پاس آنے والے زندہ کی زیارت کو پہچانتی ہے اور اس سے خوش ہوتی ہے۔‘‘

لہٰذا استعانت کے باب میں حیات و ممات کا امتیاز درست نہیں کیونکہ استعانت جسم سے نہیں روح سے ہوتی ہے اور روح نہ وقتِ وفات مرتی ہے نہ قبر میں مُردہ ہوتی ہے۔ وصال کے بعد اِستعانت کے بارے میں قرآن و حدیث میں متعدد دلائل موجود ہیں۔جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ امام فخر الدین رازیؒ نے آیت ﴿اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ آتَیْنَاھُمُ الْکِتَابَ﴾[۱] کے تحت ’’التفسیر الکبیر (۱۳: ۶۷، ۶۸)‘‘ میں لکھا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو باذنِ الٰہی مخلوق کے ظاہر و باطن پر قدرت وتصرف کا اختیار حاصل ہے۔ ﴿فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا﴾ کے تحت امام فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں کہ قرآن حکیم میں وارِد ان پانچ کلمات - النازعات، الناشطات، السابحات، السابقات اور المدبرات - کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ ان سے مراد اَرواحِ انسانیہ ہیں:

ثم إنَّ هذه الأرواح الشريفة العالية لا يبعد أن يكون فيها ما يكون لقوتها وشرفها يظهر منها الآثار فی أحوال هذا العالم فهی المدبرات امراً أليس أن الإنسان قد يری أستاذه فی المنام ويسأله عن مشكلة فيرشده إليها؟ أليس أن الابن قد يری أباه فی المنام فيهديه إلی كنز مدفون؟ أليس أنّ جالينوس قال: كنت مريضاً فعجزت عن علاج نفسی فرَأيت فی المنام واحدًا أرشدنی إلی كيفية العلاج۔[۲]

(۱) الانعام، ۶: ۸۹

(۲) رازی، تفسیر الکبیر، ۳۱: ۲۹

’’پھر یہ بلند مرتبت ارواحِ طیبہ، بعید نہیں کہ ان میں ایسی اَرواح بھی ہوں جو اپنے شرف اور قوت کے لحاظ سے اس جہان کے احوال میں اثر انداز اور مدبرات امر کے مرتبہ پر فائز ہوں۔ جیسے کبھی شاگرد یا مرید کو کوئی مشکل پیش ہو تو اُستاد اور شیخ خواب میں اس کی رہنمائی کر دیتا ہے اور کبھی باپ فوت ہو جانے کے بعد بیٹے کو مدفون خزائن کی خبر دے دیتا ہے۔ جالینوس نے کہا: جب میں اپنے مرض کے علاج میں ناکام ہوا تو میں نے خواب میں کسی کو دیکھا کہ اس نے مجھے طریقۂ علاج بتلایا (جس پر عمل پیرا ہو کر میں صحت یاب ہو گیا)۔‘‘

۲۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

أن التضييق والانحصار لا يتصور في الروح. وإنما يكون في الجسد والروح إذا كانت لطيفة يتبعها الجسد في اللطافة فتصير بجسدها حيث شاءت و تتمتع بما شاء ت وتأوى الى ما شاء الله لها كما وقع لنبينا عليه الصلوة والسلام في المعراج. ولأتباعه من الأولياء حيث طويت لهم الأرض و حصل لهم الأبدان المكتسبة المتعددة، وجدوها في أماكن مختلفة في آن واحدٍ والله على كل شيءٍ قدير. وهذا في العالم المبني على الأمر العادي غالباً فكيف وأمر الروح والآخرة كُلها مبنية على خوارق العادات۔[1]

’’محل اور مقام میں تنگی و پابندی اور قید و حبس روح کے لحاظ سے تصور نہیں کی جا سکتی بلکہ صرف جسد عنصری میں ہوتی ہے۔ روح جب لطیف اور پاکیزہ تر ہو جائے تو جسم بھی نورانیت اور لطافت میں اس کے تابع ہو جاتا ہے اور بدن کو جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے اور جہاں فائدہ اٹھاتا ہے اور جہاں تک اللہ تعالیٰ

(۱) ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح، ۴: ۳۱

اسے پہنچانا چاہے پہنچاتا ہے جیسے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو شبِ معراج یہ بلند ترین مقام نصیب ہوا۔ آپ ﷺ کے متبع اولیاء اللہ کے لئے بھی جب کہ ان کے لئے زمین سمیٹ دی جاتی ہے اور انہیں بہت سے مثالی بدن حاصل ہوجاتے ہیں جنہیں وہ آنِ واحد میں مختلف مکانوں میں موجود پاتے ہیں اور اللہ جل شانہ ہر چیز پر کامل قدرت والا ہے۔ روح کے لئے یہ لطافت اور نورانیت اور قدرت و طاقت اس عالم میں ہے جو کہ غالبًا اُمورِ عادیہ پر مبنی ہے اور جب یہاں ان اُمور میں استبعاد نہیں تو دارِ بقاء و آخرت میں کون سا اِستبعاد ہو سکتا ہے کیونکہ روح کے اور آخرت کے تمام معاملات خرقِ عادت پر مبنی ہیں۔‘‘

۳۔ امام عبدالوہاب شعرانی (م ۹۷۳ھ) مشہور ولی اللہ شیخ موسیٰ ابو عمران کے حالاتِ زندگی میں تحریر کرتے ہیں:

و کان إذا ناداهُ مريدهُ أجابهُ من مسيرة سنة أو أکثر۔(۱)

’’ابو عمران کا مرید جب اِن کو ایک سال یا اِس سے بھی زائد عرصہ سفر کی مسافت سے پکارتا تو وہ اِس کی پکار کا جواب دیتے تھے۔‘‘

۴۔ شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ نے بعد از وصال اَولیاء اللہ کی ارواحِ مقدّسہ کے تصرف کے بارے میں لکھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

’’قرآن و احادیث سے قطعاً ثابت ہے کہ روح باقی رہتی ہے فنا نہیں ہوتی۔ اِس کو زائرین اور اِن کے احوال کا علم و شعور بھی حاصل ہوتا ہے۔ کاملین کی ارواح کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عظیم میں قرب اُسی طرح ہوتا ہے جیسے حیاتِ دنیوی میں تھا بلکہ اِس سے بھی زیادہ۔ اولیاء اللہ کو کرامات اور دنیا میں تصرف حاصل

(۱) شعراني، لواقع الأنوار في طبقات الأخيار، ۲: ۲۱

ہے اور اِس کا ثبوت صرف اُن کی ارواح کے لئے ہے اور ارواح باقی رہتی ہیں اور متصرف حقیقی بالذات و مستقل سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں اور تمام قدرت اُسی کی ہے اور وہ اولیاء اللہ اپنی حیاتِ ظاہری میں اور موت میں اللہ تعالیٰ کی ذات میں فنا ہو چکے ہیں پس اگر کسی شخص کو اِن کے واسطہ سے کچھ عطا کیا جائے اُس مرتبہ کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں اِن کے لئے ثابت ہے تو یہ امر بعید نہیں ہے جیسا کہ زندگی میں اِن کو تصرف حاصل تھا۔ فعل اور تصرف ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور کوئی چیز نہیں جو زندگی اور موت میں فرق کرے اور نہ ہی اس فرق پر کوئی دلیل پائی گئی ہے۔‘‘(۱)

مزید بعد از وصال مدد و اِستعانت کے موضوع پر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ’’أشعة اللمعات (۳: ۴۰۱، ۴۰۲)‘‘ پر سیر حاصل بحث کرکے ثابت کیا ہے کہ اہلِ قبور سے بعد از وصال استعانت و استمداد جائز ہے اور یہ کہ اولیاء اللہ ارادۂ الٰہی میں فنا ہوجانے کے باعث غیر نہیں رہتے۔ ان سے استعانت بھی حقیقت میں استعانت باللہ ہوتی ہے۔ وہ محض درمیان میں وسیلہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ انبیاء و اولیاء مظہرِ عونِ الٰہی ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ’’لمعات التنقیح (۱: ۱۴۰، ۱۴۱)‘‘ میں لکھا ہے کہ مرید کے استمداد و استعانت پر شیخ اس کی مدد کرتا ہے خواہ شیخ قریب ہو یا بعید، زندہ ہو یا وصال کر گیا ہو۔ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ علومِ ظاہری و باطنی کے مجمع البحرین علامہ سید عبدالاوّل جونپوریؒ کے بارے میں محققانہ کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

چه نفس ولی و نبی قوتی می باید که در خارج بدن تصرف می کند همچنان که در بدن و چون روحِ مقدّس حضرت ﷺ جان همه عالم است باید که در همه عالم است باید که در همه اجزایئ عالم متصرف باشد و

(۱) عبدالحق، اشعة اللمعات، ۱: ۷۱۶

ازینجاست که باشارت قمر را دو شق کرد گوئیا فضلۂ ناخن از ناخن جدا فرمود۔[۱]

''انبیاء و اولیاء کے نفوس و ارواح ایسی قدرت و قوت حاصل کر لیتے ہیں کہ جسم سے باہر یعنی دوسری اشیاء میں اس طرح تدبیر و تصرّف کرتے ہیں جیسے کہ اپنے اجسام میں اور جب کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا نفسِ مبارک اور روح مقدّسہ تمام جہان کی جان ہے تو اس کا تقاضا ہے کہ وہ تمام جہان میں متصرف ہو اور یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے اشارہ سے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا گویا ناخن کے زائد حصہ کو ناخن سے جدا فرما دیا۔''

۵۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ نے اپنی بلند پایہ تصنیف ''ہمعات'' میں حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا مزار میں تصرف کرنے کے بارے میں لکھا ہے:

ودر اولیائے امت و اصحابِ طرق اقوی کسیکه بعد تمام راه جذب باکد وجوه باصل این نسبت میل کرده است و در آنجا بوجه اتم قدم زده است حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی اند۔ و لہذا گفته اند که ایشاں در قبر خود مثل احیاء تصرف می کنند۔[۲]

''اولیائے امت اور اصحابِ طریقت میں سے قوی ترین حال کی حامل ہستی حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی ہے جنہوں نے راہِ جذب کو پختہ ذرائع سے طریقت کی اصل سے جوڑا اور اس مقام پر کامل ترین قدم رکھا۔ اس

(۱) عبدالحق، اخبار الاخیار: ۲۵۵

(۲) شاه ولي الله، ہمعات: ۶۱

لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی قبر میں زندوں کی طرح تصرف کر رہے ہیں۔‘‘

انہوں نے اسی کتاب کے صفحات نمبر ۱۴، ۶۰، ۶۲، ۸۳، ۸۴ اور ۱۲۱ پر اولیاء اللہ سے استعانت و استمداد اور ان کے روحانی تصرفات اور توجہات کے بارے میں لکھا ہے۔ یاد رہے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ’’ہمعات‘‘ کوئی سطحی نظریات و تصورات کی حامل کتاب نہیں بلکہ یہ حکمتِ ولی اللّٰہی کے فہم کے لئے بنیادی اہمیت کی حامل کتاب ہے۔ مولانا عبید اللہ سندھی ’’ہمعات‘‘ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

’’حکمت ولی اللّٰہی میں یہ رسالے ابتدائی قاعدوں (primers) کے طور پر پڑھائے جاتے ہیں، اِس کے بعد امام ولی اللہ کی حکمت کی تعلیم شروع کی جاتی ہے۔‘‘

۶۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اَولیاء اللہ کی امداد بعد از وصال کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

از اولیاء مدفونین و دیگر صلحا مؤمنین اِنتفاع و استفادہ جاری است و آنہا را افادہ و اعانت نیز متصور بخلاف مردہ پائے سوختہ کہ این چیزہا اصلاً نسبت بآنہا در اہل مذہب آنہا نیز واقع نیست۔[1]

’’وفات یافتہ اَولیاء اللہ اور دیگر صالحین مؤمنین سے اِستفادہ اور استمداد و اِستعانت جاری و ساری ہے اور اِن اولیاء اللہ سے افادہ اور امداد بھی متصور ہے۔ برخلاف اُن لوگوں کے جن کو جلا دیا جاتا ہے۔ اِس لئے کہ اِن سے یہ اُمور اِن کے مذہب میں بھی جائز نہیں ہیں۔‘‘

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے ’’تفسیرِ عزیزی (۱: ۱۷ اور ۳۰: ۱۱۳)‘‘ میں بھی

(۱) شاہ عبدالعزیز، تفسیر عزیزی، ۳۰: ۵۰

اولیاء اللہ سے استعانت و استمداد کے جواز کو ثابت کیا ہے۔

حکمتِ اِستعانت وتوسُّل

جمہور اُمت کے نزدیک اِستعانت و توسل کی حکمت یہ ہے کہ اِس سے دعا أقرب اِلی الإجابت ہو جاتی ہے یا کم از کم امکانِ قبولیت بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ بعض اولیاء و مقربین کی دعا سے قضاءِ مبرم بدل جاتی ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے ''تفسیر المظھری'' میں سورۃ الرعد کی آیت نمبر ۳۹ - يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ ج وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ - کے تحت حضرت عمر اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی شقاوت کو سعادت سے اور بعض اوقات سعادت کو شقاوت سے بدل دیتا ہے:

عن ابن مسعود في بعض الأثار أن الرجل قد يكون قد بقى له من عمره ثلاثون سنة فيقطع رحمه فيرد إلى ثلاثة أيام والرجل قد يكون قد بقى له من عمره ثلاثة أيام فيصل رحمة فيمد إلى ثلاثين سنة. ثم روى البغوي بسنده إلى أبي الدرداء ﷺ قال رسول الله ﷺ: ينزل الله في أخر ثلاث ساعات يبقين من الليل. فينظر في الساعة الأولى منهن في الكتاب الذي لا ينظر فيه أحد غيره. فيمحو ما يشاء و يثبت۔ (۱)

''حضرت ابنِ مسعود ﷺ سے مروی بعض آثار میں آیا ہے: کسی شخص کی عمر تیس سال باقی ہوتی ہے کہ وہ اپنے رشتے داروں سے قطع تعلقی کرتا ہے تو اس بناء پر اس کی عمر تین دن کر دی جاتی ہے اور ایک آدمی کی بسا اوقات تین دن عمر باقی

(۱) قاضي ثناء الله، تفسير المظهری، ۵: ۲۴۶

رہ گئی ہوتی ہے سو وہ صلہ رحمی کرتا ہے پس اس کی عمر تیس برس کر دی جاتی ہے۔
امام بغویؒ اپنی سند سے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ کی ذات رات کی تین گھڑیوں میں جلوہ افروز ہوتی ہے تو وہ پہلی گھڑی میں کتاب (تقدیر) کو دیکھتا ہے جو اس کے علاوہ کوئی اور نہیں دیکھ سکتا پس وہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے۔‘‘

اس سے یہ امر مترشح ہوا کہ اولیاء اللہ اور مقربین کی دعاؤں سے تقدیر مبرم ٹل جاتی ہے۔ اسی مقام پر قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفصیلاً لکھا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادگان حضرت محمد سعید اور حضرت محمد معصوم کے معلم حضرت ملا طاہر لاہوری کی پیشانی سے لفظِ شقی حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی دعا کی بدولت لفظِ سعید سے بدل گیا۔

رُوح کے لیے قرب و بعد کا معنی و مفہوم

یہ ایک بدیہی اَمر ہے کہ روح کیلئے قرب و بعد یکساں حقیقت کے حامل ہیں اور یہ کہ ارواحِ کاملین کو بعد از وفات بھی تدبیر و تصرف حاصل ہوتا ہے۔ جس طرح دنیوی زندگی میں انسانوں کے مختلف مدارج ہیں۔ ان کی ذہنی، نفسیاتی، بدنی اور روحانی قوتیں ایک جیسی نہیں، بعینہٖ عالم برزخ میں اہلِ ایمان کے مختلف مدارج اور طبقات ہوتے ہیں۔ یہ طبقات اور مدارج یقیناً ان کی دنیوی زندگی کے احوال پر منطبق ہونے والے انجام اور ثمرات کی بناء پر متشکل ہوں گے۔

۱۔ برزخی احوال سے متعلق جن علماء اسلام نے اپنے اپنے حسبِ حال تفصیلات بیان کی ہیں ان میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا نام بطورِ خاص قابل ذکر ہے۔ شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ نے ’’حجۃ اللہ البالغۃ‘‘ میں برزخ کے چار مدارج تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔ مزید آپ نے ’’حجۃ اللہ البالغہ (۱: ۴۱، ۴۲)‘‘

اور ''لمعات (ص: ۵۷)'' پر مقبولانِ بارگاہ الٰہی اور راندۂ درگاہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ مقبولانِ بارگاہ ملاء اعلیٰ کی مخلوق ہیں اور راندۂ درگاہ ملاء سافل۔ ملاء اعلیٰ معزز اور مقرب فرشتوں پر مشتمل مجلسِ بالا ہے جس میں نیک اور مقرب انسانوں کی ارواح بھی شامل ہوتی ہیں۔ پھر انہوں نے ان کی تین اقسام پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور نتیجے کے طور پر ''حجۃ اللہ البالغہ (۱: ۱۱۱)'' پر لکھا ہے:

وإذا تمكنت العدالة من الإنسان وقع اشتراک بينهُ بين حملة العرش ومغربى الحضرة من الملائكة الذين هم وسائط نزول الجود والبركات وكان ذالک باباً مفتوحاً بينه وبينهم وممد النزول ألوانهم وصبغهم بمنزلة تكميل النفس من ألهام الملائكة والانبعاث حسبها۔(۱)

''پس جب انسان میں صفتِ عدالت متمکن ہوجاتی ہے تو اس میں اور حاملینِ عرش اور مقربین فرشتوں میں جو جودِ الٰہی اور برکاتِ الٰہی کے لئے ذریعہ و واسطہ ہیں، اِشتراک پیدا ہوجاتا ہے۔ اس میں اور ان فرشتوں میں فیضان کا دروازہ کھل جاتا ہے اور یہ صفت اس پر ان کے رنگ اور اثر نازل کرنے میں مددگار بن جاتی ہے۔ اس طور پر کہ نفس میں ملائکہ کے الہام سے مستفیض ہونے کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے اور وہ ان کے علوم کے لئے آمادہ رہتا ہے۔''

۲۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

ارواحِ نیکاں بعد از قبض درآں جامی رسند و مقرّبان یعنی انبیاء و اولیاء درآں مستقر میمانند۔ وعوام صلحا

(۱) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، ۱: ۱۱۱

بعد از نویسانیندن و رسانیندن نا مہائے بر حسبِ مراتب در آسمانِ دنیا یا درمیان آسمان و زمین یا در چاہ زمزم قرار می دھند و تعلق بقبر نیز ایں ارواح را میباشد کہ بحضور زیارت کنندگان واقارب و دیگر دوستان بر قبر مطلع و مستانس میگردند زیرا کہ روح را قرب وبُعد مکانی مانع ایں دریافت نمی شود۔[1]

''نیک لوگوں کی اَرواح قبض کیے جانے کے بعد علیین کے قیام میں پہنچ جاتی ہیں۔ انبیاء و اولیاء اسی مقام پر قرار پکڑتے ہیں۔ عام صلحاء و اتقیاء کی ارواح کے نام اعلیٰ علیین میں لکھوانے اور وہاں پہنچانے کے بعد ان کے مرتبہ و درجات کے مطابق آسمانِ دنیا میں یا آسمان و زمین کے درمیان زمزم کے چشمہ میں ٹھکانا دیتے ہیں اور ان ارواح کو قبر کے ساتھ بھی تعلق ہوتا ہے، حتی کہ زیارت کرنے والوں کی حاضری اور اقارب اور دوست احباب کی قبر پر آمد سے مطلع ہو جاتے ہیں اور اُنس و راحت و محبت حاصل کرتے ہیں کیونکہ روح کیلئے مکان کے لحاظ سے قریب یا بعید ہونا اس علم و ادراک میں رکاوٹ نہیں ہوسکتا۔''

۳۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۵۴ - وَ لَا تَقُوْلُوا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ - کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

إن الله تعالى يعطى لأرواحهم قوة الجساد فيذهبون من الأرض والسماء والجنة حيث يشاؤون وينصرون أولياءهم ويدمرون أعداءهم إن شاء الله تعالى ومن أجل ذٰلک الحيٰوة لا تأكل

(۱) شاه عبدالعزیز، تفسیر عزیزی، ۱: ۱۰۰

الأرض أجسادهم ولا أكفانهم. قال البغوی: قيل أن أرواحهم تركع و تسجد كل ليلة تحت العرش إلى يوم القيامة۔[1]

''اللہ تعالیٰ ان کی ارواح کو جسموں جیسی قوت عطا کرتا ہے سو وہ زمین، آسمان اور جنت میں جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق اپنے اولیاء (دوستوں، ساتھیوں) کی مدد کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو تباہ و برباد کرتے ہیں اور اسی زندگی کے سبب زمین ان کے جسموں اور کفنوں کو نہیں کھاتی۔ امام بغویؒ نے فرمایا: یہ بھی قول ہے کہ ان کی ارواح قیامت تک ہر رات اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے رکوع وسجود کرتی رہیں گی۔''

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ مزید لکھتے ہیں:

ولذلک قالت الصوفية العلية: أرواحنا أجسادنا وأجسادنا أرواحنا وقد تواتر عن كثير من الأولياء أنهم ينصرون أولياء هم ويدمرون أعداءهم ويهدون إلى الله تعالى من يشاء الله تعالىٰ۔[2]

''اسی لئے بلند پایہ صوفیاء کا قول ہے: ہماری ارواح ہمارے جسم اور ہمارے جسم ہماری ارواح ہیں اور بہت سے اولیاء سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ وہ اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں اور جسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔''

۴۔ علامہ ابنِ قیم اس حوالے سے لکھتے ہیں:

فللروح المطلقة من أسر البدن وعلائقه وعوائقه من التصرف والقوة والنفاذ والهمة وسرعة الصعود إلى الله والتعلق بالله، ما

(۱) قاضي ثناء الله، تفسير المظهري، ۱: ۱۵۲

(۲) قاضي ثناء الله، تفسير المظهري، ۱: ۱۵۲

ليس للروح المهينة المحبوسة فی علائق البدن و عوائقه. فإذا كان هذا وهی محبوسة فی بدنها فكيف إذا تجردت و فارقته واجتمعت فيها قواها وكانت فی أصل شانها روحاً علية زكية كبيرة ذات همة عالية فهذه لها بعد مفارقة البدن شان آخر و فعل آخر۔(۱)

’’جسم کی قید سے آزاد اور اس کے تعلقات اور عوارضات و موانعات سے مبرا روح کیلئے ایسا تصرّف، قوت، نفوذ، ہمت اور اللہ رب العزت کی طرف فوری طور پر بلند ہونے اور اس سے تعلق قائم کرنے کی قوت وصلاحیت حاصل ہوتی ہے، جو جسم کی قید میں مقید ومحبوس اور بدنی تعلقات اور عوارضات و موانعات میں جکڑی ہوئی روح کو حاصل نہیں ہوتی۔ روح کا جب جسم سے محبوس و مقید ہوتے ہوئے یہ حال ہے تو اس وقت اس کی حالت کیا ہوگی جب جسم سے مجرد اور جدا ہو جائے اور اس میں اس کی تمام تر قوتیں جمع ہو جائیں اور اپنی حالت کے اعتبار سے بھی پاکیزہ فطرت، بلند ہمت اور عالی قدر ہو تو جسم سے مفارقت وجدائی کے بعد اس کی شان نرالی ہوگی اور فعل وتاثیر بھی انوکھی وعمدہ ہوگی۔‘‘

کعبۃ اللہ مسجود لہٗ نہیں مسجود اِلیہ ہے

حقیقت اور مجاز کے ضمن میں ایک تمثیل ملاحظہ کیجئے۔ جو لوگ اولیاء اللہ کے مزارات پر بوقتِ حاضری اِستمداد کرتے ہیں وہ اُنہیں مستعانِ حقیقی سمجھ کر استعانت و اِستغاثہ نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے یہ کامل اُمید رکھتے ہیں کہ وہ اپنے مقبول اور محبوب بندوں کے مقامات اور اطاعت و اعمالِ صالحہ کے طفیل ہماری خطاؤں کو معاف فرما دے گا۔ یہ اس طرح ہے جیسے لوگ کعبۃ اللہ میں جا کر یا دور سے اسی رخ پر سجدہ کرتے

(۱) ابن قیم، کتاب الروح: ۱۰۳

ہیں ۔ بیت اللہ شریف بھی پتھروں سے تعمیر کیا ہوا ایک مکان ہے اور وہ بھی یقیناً اللہ تعالیٰ کا غیر ہے عین نہیں۔ پھر جمادات یعنی پتھروں کے ساتھ اس قدر تعظیم کا سلوک کیوں کیا جاتا ہے؟ اللہ رب العزت نے تو صرف اپنی ذات کو سجدہ جائز قرار دیا ہے اور اپنی ہی عبادت کو جائز کیا ہے۔ پتھروں کی طرف رُخِ سجدہ کرنے کا آخر کیا مطلب ہے صاف ظاہر ہے وہ کعبۃ اللہ کی عبادت نہیں مگر اس میں اس کی تعظیم تو یقیناً مضمر ہے۔ یہی معاملہ طواف اور دیگر بہت سے اُمور کا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے کعبہ معظّمہ کی سمت سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ بیت اللہ شریف میں حاضری کے وقت بظاہر دیوارِ کعبہ سے لپٹ کر ہم رو رہے ہوتے ہیں۔ التجائیں کر رہے ہوتے ہیں، مگر کبھی کسی کے ذہن میں یہ خیال نہیں آتا کہ بیت اللہ شریف کی دیواروں میں چنے ہوئے پتھروں کو ہم اپنا معبود گردانتے ہیں یا اُن سے مرادیں اور حاجات مانگتے ہیں تو پھر اُن لوگوں کے حق میں یہ بدگمانی کیوں کی جائے جو رسول اللہ ﷺ اور دیگر اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری دیتے ہیں اور وہاں اللہ تعالیٰ سے دُعا و التجا کرتے ہیں کہ اللہ ﷻ ان کے توسل اور برکت سے ہماری حاجات پوری فرما دے گا۔ مسجود الیہ تو پتھروں ہی کا بنا ہوا گھر تھا مگر وہ مسجود لہ نہیں تھا۔ اِس سے ثابت ہوا کہ ہم دن میں کئی مرتبہ غیر اللہ کی سمت سجدہ کرتے ہیں اور یہ سجدے کر کے بھی مسلمان ہی رہتے ہیں۔

اِسی طرح ہم مقامِ ابراہیم کی سمت - جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان والا پتھر ہے - رُخ کر کے نماز پڑھنے کے بعد بھی مسلمان ہی رہے۔ کیوں؟ صرف اِسی لئے کہ ہمارے نزدیک مسجود وہ پتھر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ سو اِسی دلیل کی بنیاد پر یہ عمل بھی استوار ہے کہ جب ہم روضۂ رسول ﷺ اور اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری دیتے ہیں تو وہاں بھی مرادیں اللہ تعالیٰ ہی سے مانگتے ہیں اور ان کو وسیلہ بناتے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی نسبت کا مظہر کعبۃ اللہ کو قرار دیا ہے اِسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ اور دیگر انبیاء و اولیاء بھی اپنے اپنے مقام اور مرتبہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی

ذات و صفات کے مظہر ہیں۔ بقول غالب:

پرے ہے حدِ اِدراک سے اپنا مسجود
قبلے کو اہلِ نظر قبلہ نما کہتے ہیں

اس ساری بحث سے یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہوگئی ہے کہ مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کی ارواح بعد از وصال مُدَبِّرَاتِ اَمر میں سے بن جاتی ہیں اور ملاءِ اعلیٰ کے ساتھ شامل ہو کر اللہ تعالیٰ کے اذن اور مشیت کے مطابق تدبیر و تصرّف کرتی ہیں اور اہلِ محبت کی بالخصوص مدد کرتی ہیں، لہٰذا ان سے ان کی شان کے لائق استمداد و استعانت کرنا اسی طرح جائز، مباح اور صحیح ہے جیسے کہ حیاتِ ظاہری میں مباح اور مستحسن ہے۔

حیاتِ ظاہری اور حیاتِ برزخی میں فرق روا رکھنا باطل ہے کیونکہ بعض ائمہ کے نزدیک بعد از وصال امداد و اعانت قوی طریقہ پر متحقق ہو جاتی ہے لہٰذا معترضین اور منکرین کا انبیاء و اولیاء کو بعد از وصال اس دنیا میں رہنے والے اعانت کے طلب گاروں سے بے خبر غافل اور لاتعلق بتلانا اور بتوں والی آیات ان پر منطبق کرتے ہوئے ان کی امداد و اعانت سے عاجز و قاصر اور مجبور و معذور اور بے بس قرار دینا باطل ہے۔

www.MinhajBooks.com

باب چہارم

توحید اور تبرک

فصل اَوّل: تبرک کا مفہوم واَہمیت اَز رُوئے قرآن

فصل دُوُم: حیاتِ مبارکہ میں آثارِ رسول اللہ ﷺ سے تبرک کا ثبوت

فصل سوم: بعد اَز وصال آثارِ رسول اللہ ﷺ سے تبرک کا ثبوت

فصل چہارُم: آثارِ اَولیاء اور صالحین سے تبرک

www.MinhajBooks.com

فصل اَوّل

تبرک کا مفہوم و اَہمیت اَز رُوئے قرآن

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com

برکت اور تبرک کا لغوی معنی و مفہوم

ائمہ لغت نے برکت اور تبرک کے متعدد معانی بیان کئے ہیں۔ علامہ ابنِ منظور نے مختلف علماء کے حوالے سے لفظِ برکت اور تبرک کے اقوال اپنی کتاب میں یکجا کئے ہیں، ہم ان کو خلاصتہً درج کر رہے ہیں:

۱۔ برکت کے لغوی معانی ''اضافہ، زیادتی و کثرت اور سعادت و خوش بختی کے ہیں۔'' یہ بَرَکَ سے مشتق ہے، کہا جاتا ہے: بَرَکَ الْبَعِیْرُ یعنی ''اُونٹ کسی جگہ جم کر اور ایک خاص ہیئت کے ساتھ بیٹھا۔'' اس طرح وہ سکون و راحت اور آسودگی پاتا ہے۔

۲۔ برکت کا ہی ایک معنی ''دائمی سعادت اور برکت کا حصول بھی ہے۔'' جیسے حضور نبی اکرم ﷺ پر برکت بھیجتے ہوئے کہا جاتا ہے: اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ (اے اللہ! تو حضرت محمد ﷺ اور حضرت محمد ﷺ کی آل پر بزرگی اور شرافت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ثابت اور قائم فرما)۔

۳۔ تبرک کا لغوی معنی ہے: ''کسی سے برکت حاصل کرنا۔''(۱)

درج بالا تعریفات سے معلوم ہوا کہ تبرکات کے اندر چونکہ عزت، خیر و برکت اور نیک بختی کے حصول اور اِن میں اضافہ کی خواہش ہوتی ہے، اس لئے ان کو تبرک کہتے ہیں۔ جیسے دعائے نبوی ﷺ ہے:

---

(۱) ۱۔ ابن منظور، لسان العرب، ۱۰، ۳۹۵، ۳۹۶

۲۔ ابن اثیر، النھایۃ فی غریب الحدیث، ۱: ۱۲۰

وَ بَارِکْ لِيْ فِيْمَا أَعْطَيْتَ۔ (۱)

’’اور جو نعمت تو نے مجھے دی ہے اس میں برکت عطا فرما۔‘‘

۴۔ امام راغب اصفہانی نے ’’برکت‘‘ کا ایک معنی خیرِ الٰہی لکھا ہے:

وَالْبَرَکَةُ ثُبُوْتُ الْخَيْرِ الإِلٰهِي فِي الشَّيْءِ۔ (۲)

’’برکت کا معنی ہے کسی شے کے اندر خیرِ الٰہی کا پایا جانا۔‘‘

تبرک کا شرعی مفہوم

قرآن و حدیث کی تعلیمات سے پتہ چلتا ہے کہ بعض ذوات، اشیاء اور مقامات کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی خیر و برکت سے نوازا ہے اور اِن کو دیگر مخلوق پر ترجیح دی ہے۔ ان بابرکت ذوات اور اشیاء سے برکت و رحمت اور سعادت چاہنا اور ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنا تبرک کے مفہوم میں شامل ہے۔

تبرک کا حقیقی تصوّر

تبرک و تیمّن کا واسطہ درحقیقت برکت اور فیض حاصل کرنے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ جب ہم اپنے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے درمیان برکت حاصل کرنے کے لئے کوئی واسطہ قائم کر رہے ہوتے ہیں تو چونکہ یہ واسطہ عبادت نہیں ہوتا اس لئے اس میں شرک کا کوئی احتمال نہیں۔ جیسے مناسکِ حج ادا کرتے ہوئے حجرِ اسود، رکنِ یمانی اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تیمن و تبرک کا واسطہ اختیار کیا جاتا ہے۔ جب حجرِ اسود سے

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، کتاب الصلاة، باب ما جاء في القنوت في الوتر، ۲: ۳۲۸، رقم: ۴۶۴

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۳: ۲۲۵، رقم: ۹۴۵

(۲) راغب الأصبهاني، المفردات: ۴۴

برکت کا حصول شرک نہیں تو کسی پیغمبر یا ولی اللہ سے واسطۂ تیمن یا واسطۂ تبرک شرک کیسے ہوگا؟ اگر ایک پتھر کو واسطہ بنا لینا جائز ہو اور انبیاء و اولیاء کو واسطہ بنانا ناجائز اور شرک تصور کیا جائے تو یہ حقیقی تصورِ دین کے خلاف ہے۔

تبرک کی شرائط

قرآن و حدیث سے ثابت ہر متبرک چیز خواہ وہ کوئی نشانی ہو یا جگہ یا کوئی ذات، شرعاً ان کو وسیلہ بنانا جائز ہے۔ تاہم اس امر کے لئے درج ذیل شرائط ضروری ہیں:

۱۔ تبرک اختیار کرتے ہوئے یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ مؤثرِ حقیقی اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔ جس طرح تمام نعمتیں مثلاً رزق، صحت تندرستی، مدد و نصرت، رہائش اور لباس وغیرہ اس کی عطا سے ملتی ہیں اسی طرح متبرک اشیاء یا اشخاص میں خیر و برکت بھی اللہ تعالیٰ نے ہی ودیعت فرمائی ہے۔ مخلوق میں کوئی بھی ازخود خیر و برکت دینے یا شر و فساد دور کرنے سے عاجز ہے مگر اللہ تعالیٰ کے اذن اور عطا سے ان میں یہ تاثیر و برکت پائی جاتی ہے۔

۲۔ جن اشخاص یا آثار و اماکن اور اشیاء کو متبرک سمجھ کر ان سے برکت حاصل کی جاتی ہے، ضروری ہے کہ قرآن و سنت سے ان کا عنداللہ متبرک و افضل ہونا بھی ثابت ہوتا ہو۔ انبیاء و صالحین کے جن آثار کے ذریعے تبرک یعنی خیر و برکت و سعادت حاصل کی جاتی ہے اس کے متعلق صحیح عقیدہ یہ ہے کہ یہ آثار اور نشانیاں اس ذات اور شخص کی شرافت و بزرگی، نیکی و پارسائی اور عبادت و ریاضت کی وجہ سے مشرف و مکرم اور قابلِ تعظیم و تکریم اور عنداللہ محبوب و مقرب ہیں۔

تبرک کی اَقسام (اِجمالی بیان)

شرعاً تبرک کی درج ذیل اَنواع و اَقسام ثابت اور جائز ہیں:

۱۔ ذاتِ رسول ﷺ سے تبرک

حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں اور بعد از وصال آپ ﷺ کی ذاتِ مقدسہ اور آپ ﷺ کے آثار سے برکت حاصل کرنا شرعاً ثابت ہے۔

۲۔ ذواتِ انبیاء علیہم السلام اور صالحین سے تبرک

انبیاء کرام اور صالحینِ عظام کی حیات اور بعد از وصال اُن کی ذوات اور آثار سے بھی برکت حاصل کرنا شرعاً ثابت ہے۔[1]

۳۔ قرآن و حدیث سے تبرک

حضور نبی اکرم ﷺ پر نازل ہونے والی آخری کتاب قرآن مجید بذاتِ خود بہت سی برکتوں اور سعادتوں کا باعث ہے۔ اس کی سُوَر اور آیات کی متعدد برکات احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہیں۔ اسی طرح حدیثِ مبارکہ سے برکت حاصل کرنا بھی ائمۂ صالحین کا معمول رہا ہے۔

۴۔ اَفعال و اَقوال سے تبرک

امتِ مسلمہ کو ہر طرح کی رحمت اور فیض سے مالا مال کرنے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے محبوب رسول حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے اِس امت کو

(۱) نوٹ: حضور نبی اکرم ﷺ، انبیاء کرام اور صالحینِ عظام علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام سے برکت حاصل کرنے کے دوران اِن کے درمیان حفظِ مراتب کا خیال رکھنا اشد ضروری ہے۔ لہٰذا انتہائی احتیاط اور ادب کا مظاہرہ کیا جائے۔

احکام اور ترغیب کے ذریعہ ایسے اقوال اور افعال بجا لانے کو کہا گیا ہے جن پر صرف عمل پیرا ہونے سے ہی اسے خیر و برکت سے نواز دیا جاتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، تلاوتِ قرآن کرنا، حضور نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھنا، نعت پڑھنا، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا، صدقہ و خیرات کرنا، غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلانا، روزہ افطار کرانا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا، کسی شخص کی حاجت پوری کرنا، خندہ پیشانی سے پیش آنا، تکلیف دہ چیز کو راستہ سے ہٹانا، سچ بولنا، ایفائے عہد کرنا الغرض بے شمار ایسے امور ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے انسان کو خالقِ کائنات کی طرف سے رحمتیں اور برکتیں نصیب ہوتی ہیں۔

۵۔ مکان سے تبرک

مقدس مقامات سے برکت حاصل کرنا بھی شریعت سے ثابت ہے۔ ان بابرکت مقامات میں روئے زمین کی تمام مساجد، خصوصاً مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی، مسجدِ اقصیٰ، مسجدِ قباء اور بعض مقدس شہر جیسے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، شام اور یمن شامل ہیں۔ علاوہ ازیں حضور نبی اکرم ﷺ، دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاءِ عظام کے مقاماتِ ولادت اور وصال سے بھی برکت حاصل کرنا از روئے شرع جائز ہے۔

۶۔ زمان سے تبرک

شریعت کی طرف سے امتِ مسلمہ کو بعض متبرک اوقات اور لمحات بھی نصیب ہوئے ہیں۔ ان میں ماہِ رمضان المبارک، آخری عشرہ کی پانچ طاق راتیں، شبِ قدر، شبِ برأت، شبِ میلاد النبی ﷺ، شبِ معراج النبی ﷺ، ہر رات کا آخری تہائی حصہ، یومِ جمعۃ المبارک، پیر کا دن، جمعرات کا دن، ذوالحجہ کے دس دن، عیدالفطر، عیدالاضحیٰ کا دن، یومِ عاشورہ اور میلاد النبی ﷺ کے بابرکت ایام اور مقدّس راتیں شامل ہیں۔

۷۔ کھانے پینے کی اَشیاء سے تبرک

بعض کھانے پینے کی اشیاء بھی ایسی ہیں جن کو اسلام میں دیگر اشیاء سے متبرک مقام حاصل ہے۔ مثلاً زیتون کا تیل، دودھ، شہد، کھجور، کلونجی، آبِ زَم زَم، روزہ کے لئے سحری اور افطاری کی اشیاء اسی نوع میں شامل ہیں۔

۸۔ اَفعالِ باطنی سے تبرک

بعض افعال کا تعلق انسان کے قلب و روح سے ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث کی رو سے اُن پر عمل پیرا ہونے سے بھی مومن کو برکاتِ الٰہیہ سے نوازا جاتا ہے۔ ان باطنی اعمال میں محبتِ الٰہی، رضائے الٰہی، خشیتِ الٰہی، اطاعتِ الٰہی، محبتِ رسول ﷺ، تعظیمِ رسول ﷺ، نصرتِ رسول ﷺ، اطاعتِ رسول ﷺ، توکل علی اللہ، صبر، شکر، رضا، ریاضت، عبادت، مجاہدہ اور زہد و ورع جیسے امور شامل ہیں۔

درج بالا تبرک کی تمام انواع و اقسام قرآن و حدیث اور آثارِ صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے ثابت ہیں۔ ہر قسم اور نوع پر کافی دلائل موجود ہیں جن سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اللہ رب العزت کی برکت اور رحمت حاصل کرنے کے لئے اِن تمام امور کی طرف رجوع کرنا، انہیں اپنانا اور بجا لانا شریعتِ اسلامیہ کے تحت مسنون، مستحسن اور جائز ہے۔ ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار وہی شخص کرے گا جو قرآن و حدیث، صحابہ کرام، تابعینِ عظام اور ائمہ رضی اللہ عنہم کے احوال و اقوال سے ناواقف ہوگا۔ حقیقت یہی ہے کہ درج بالا تمام اقسامِ تبرک من حیث المجموع امتِ مسلمہ کے عقائد کی عکاس ہیں۔

www.MinhajBooks.com

عقیدۂ تبرک میں احتیاط کے پہلو

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دینِ اسلام کو اعتدال پسندی سے نوازا ہے جس کی بدولت اس کے ہر امر میں افراط و تفریط کو نظرانداز کیا جائے گا اور ان کی ہر طرح سے حوصلہ شکنی کی جائے

گی۔ عقیدۂ تبرک میں بھی شریعت کے اِس اصول کو مدّنظر رکھا گیا ہے، لہٰذا اس میں درج ذیل پہلوؤں کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے:

۱۔ تبرک کے ہر اس عمل کو ناپسندیدہ، مکروہ اور بدعتِ ضلالۃ قرار دیا جائے گا جو اصلاً قرآن و حدیث سے ثابت نہیں۔

۲۔ جن اعمال پر شریعت میں ممانعت وارد ہوئی ہے یا کراہت کا اظہار کیا گیا ہے ان کو ہرگز بھی متبرک نہ سمجھا جائے مثلاً اولیاء و صالحین کے مزارات کا عبادت کی نیت سے طواف وغیرہ۔

۳۔ آج کل معاشرے میں عموماً دیکھا گیا ہے کہ شریعت سے نابلد بے عمل جاہل اور جعلی پیروں کو برکت کا ذریعہ بنایا جاتا ہے ان سے بھی حتی الامکان دامن بچانا چاہیے۔

۴۔ عقیدۂ تبرک میں جہاں بعض لوگ جہالت کے باعث افراط کا شکار ہیں، وہیں بعض لوگ تعصب اور عناد کے باعث اولیاء و صالحین سے حصولِ برکت کو شرک اور بدعت قرار دیتے ہیں۔ اس انتہا پسندانہ رویے کی بھی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں۔

تبرک کے لغوی و شرعی مفہوم اور اس کی انواع پر سیر حاصل بحث سے تبرک کا حقیقی مفہوم نکھر کر سامنے آ گیا۔ اب ہم قرآن کی روشنی میں تبرک کی شرعی حیثیت بیان کریں گے جس سے اس کی اہمیت و فضیلت اُجاگر ہوگی۔

قرآن میں انبیاء علیہم السلام اور اَشیائے مقدّسہ کی برکت کا بیان

برکت اور تبرک متعدد آیاتِ قرآنی سے ثابت شدہ امرِ شرعی ہے۔ قرآن میں لفظِ برکت اپنے مشتقات سمیت معین شخصیات، زمان اور مکان کے لئے استعمال ہوا ہے۔

برکت کے متعلق قرآنی تعلیمات کو ہم درج ذیل عنوانات میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے بابرکت ہونے کا بیان

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بعض انبیاء کرام علیہم السلام اُن کے متبعین اور اہل و عیال کا مبارک اور بابرکت ہونا بیان کیا ہے:

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے متبعین کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ۔(۱)

’’فرمایا گیا: اے نوح! ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ (کشتی سے) اتر جاؤ جو تم پر ہیں اور ان طبقات پر ہیں جو تمہارے ساتھ ہیں۔‘‘

۲۔ حضرت ابراہیم اور ان کے بیٹے حضرت اسحاق علیہما السلام کے بارے میں فرمایا:

وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ۔(۲)

’’اور ہم نے اُن پر اور اسحاق (علیہما السلام) پر برکتیں نازل فرمائیں۔‘‘

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اہلِ بیت کے لئے فرمایا:

رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ۔(۳)

’’اے گھر والو! تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں۔‘‘

۴۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بابرکت فرمایا ہے:

---

(۱) ہود، ۱۱: ۴۸

(۲) الصافات، ۳۷: ۱۱۳

(۳) ہود، ۱۱: ۷۳

وَجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ۔(۱)

’’اور میں جہاں کہیں بھی رہوں اس نے مجھے سراپا برکت بنایا ہے۔‘‘

۲۔ قرآنِ حکیم کے بابرکت ہونے کا بیان

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی بے شمار صفات اور خوبیاں بیان فرمائی ہیں۔ قرآن کی ایک صفت اس کا بابرکت ہونا بھی ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الأنعام میں دو جگہ اِرشاد فرمایا:

وَھٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ مُبٰرَکٌ۔(۲)

’’اور یہ (وہ) کتاب ہے جسے ہم نے نازل فرمایا ہے، بابرکت ہے۔‘‘

۲۔ قرآنِ حکیم کو خوبیوں والی اور بابرکت کتاب کہا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِہٖ وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ○(۳)

’’یہ کتاب برکت والی ہے۔ جسے ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا ہے تاکہ دانش مند لوگ اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں اور نصیحت حاصل کریں○‘‘

۳۔ اَماکنِ مقدّسہ کے بابرکت ہونے کا بیان

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں بعض خصوصی اَماکن اور زمین کے قطعات کا بابرکت ہونا بیان فرمایا ہے:

---

(۱) مریم، ۱۹: ۳۱

(۲) الأنعام، ۶: ۹۲، ۱۵۵

(۲) ص، ۳۸: ۲۹

۱۔ اللہ رب العزت نے خانہ کعبہ کو برکت والا گھر قرار دیا، فرمایا:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ○ (۱)

''بیشک سب سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لئے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے برکت والا ہے اور سارے جہان والوں کے لئے (مرکزِ) ہدایت ہے○''

امام ابوبکر جصاص نے ''احکام القرآن (۲: ۳۰۳)'' میں اس آیت کی تشریح میں برکت اور تبرک کے تصور کو یوں واضح کیا ہے:

وقوله مبارکًا یعنی أنه ثابت الخیر والبرکة، لأن البرکة هی ثبوت الخیر ونموه وتزیده، والبرک هو الثبوت یقال برک برکًا وبروکا إذا ثبت علی حاله۔

''اللہ ﷻ کا مبارکاً فرمانا اس معنی میں ہے کہ وہ گھر خیر و برکت والا ہے کیونکہ کسی چیز میں خیر و بھلائی کا پایا جانا اور اس کی نشوونما اور اس میں اضافہ ہونے کا نام برکت ہے۔ برکت سے مراد جم کر بیٹھنا ہے۔ بَرَکَ برکاً و بروکًا اس وقت کہتے ہیں جب کوئی اپنی جگہ جم کر بیٹھے۔''

۲۔ مسجدِ اَقصیٰ کے گرد و نواح کو انبیاء کرام کا مسکن ہونے کی وجہ سے بابرکت بنا دیا۔ ارشاد فرمایا گیا:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا۔ (۲)

''وہ ذات (ہر نقص اور کمزوری سے) پاک ہے جو رات کے تھوڑے سے

(۱) آل عمران، ۳: ۹۶

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۱

حصہ میں اپنے (محبوب اور مقرّب) بندے کو مسجدِ حرام سے (اس) مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی جس کے گرد و نواح کو ہم نے بابرکت بنا دیا ہے تاکہ ہم اس (بندۂ کامل) کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔''

اللہ تعالیٰ نے سفرِ معراج کے ضمن میں مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ کا ذکر فرمایا تو مسجدِ اقصیٰ کے ساتھ اس کی وجہ فضیلت بھی بتائی کہ اس کے اردگرد ہم نے برکتیں رکھ دی ہیں۔ ائمہِ تفسیر نے بابرکت ماحول کی وجہ بیت المقدس کے اردگرد پھل دار درخت اور جاری نہروں کے علاوہ زمانہ موسوی سے اس مسجد کو مہبطِ وحی اور مسکنِ انبیاء علیہم السلام کے طور پر بیان کیا ہے۔ علاوہ ازیں ایک بڑی وجہ انبیاء علیہم السلام کے مزارات ہیں جو فلسطین اور بالخصوص القدس شریف کی سرزمین میں موجود ہیں۔

امام قرطبی لکھتے ہیں:

قيل بالثّمار وبمجارى الأنهار وقيل بمن دُفن حوله من الأنبياء والصالحين۔(۱)

''یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے اردگرد کو پھلوں اور نہروں کی وجہ سے بابرکت بنایا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے اردگرد انبیاء کرام علیہم السلام اور صالحین دفن ہیں اس وجہ سے یہ بابرکت ہے۔''

علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

بالثّمار والأنهار والأنبياء و الصالحين فقد بارک الله سبحانه حول المسجد الأقصى ببركات الدّنيا والآخرة۔(۲)

''یعنی پھلوں، نہروں انبیاء علیہم السلام اور صالحین کی وجہ سے۔ پس اللہ تعالیٰ نے

(۱) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۱۰: ۲۱۲

(۲) شوکانی، فتح القدیر، ۳: ۲۰۶

مسجدِ اقصیٰ کے اردگرد کے ماحول کو دنیا و آخرت کی برکتوں سے مالا مال فرمایا۔‘‘

آیتِ کریمہ کی مذکورہ تفسیر سے ثابت ہوا کہ ائمۂ تفسیر نے مسجدِ اقصیٰ کے اردگرد کے ماحول کو درج ذیل وجوہات کی بنا پر بابرکت قرار دیا ہے:

۱۔ پھلدار درختوں اور نہروں کا پایا جانا۔

۲۔ مساکنِ انبیاء علیہم السلام اور مسجدِ اقصیٰ کا کثیر انبیاء علیہم السلام کی عبادت گاہ ہونا۔

۳۔ مسجدِ اقصیٰ کے اردگرد مزاراتِ انبیاء علیہم السلام کی موجودگی۔

مسجدِ اقصیٰ کے اردگرد کا بابرکت ہونے کی بڑی وجہ مزاراتِ انبیاء علیہم السلام ہیں کیونکہ خوش ذائقہ پھلوں اور نہروں کا ہونا بھی انبیاء علیہم السلام کے وجودِ مسعود کے باعث ہے۔

نصِ قرآنی سے جب ثابت ہوا کہ انبیاء و صالحین کی وجہ سے کسی جگہ کا بابرکت ہونا اور لوگوں کا تبرکاً اس مقدس مقام کی زیارت کے لئے جانا امرِ مستحسن ہے تو جس خطۂ زمین کو حضور تاجدارِ کائنات سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کا مدفن ہونے کا اعزاز نصیب ہوا وہ پوری کائنات سے بڑھ کر بابرکت و باسعادت کیوں نہ ہو؟ یقیناً ہے، یہی وجہ ہے کہ قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک جمہور اُمت روضۂ رسول ﷺ کی زیارت کو دنیا و ما فیہا سے بڑھ کر عزیز سمجھتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے وجودِ مسعود کی وجہ سے مسجدِ اقصیٰ کا اردگرد بابرکت ہونے کی تائید امام بغوی، ابنِ جوزی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی درج ذیل تفسیر سے بھی ہوتی ہے:

سماه مباركًا لأنه مقر الأنبياء و مهبط الملائكة و الوحی۔(۱)

(۱) ۱۔ بغوی، معالم التنزیل، ۳: ۹۲

۲۔ ابن جوزی، زاد المسیر فی علم التفسیر، ۵:۵

۳۔ قاضی ثناء الله، التفسیر المظهری، ۵: ۳۹۹

’’مسجدِ اقصیٰ کے اردگرد کو بابرکت اس لئے کہا گیا کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی سکونت اور نزولِ ملائکہ و وحی کا مقام ہے۔‘‘

اس امر میں تو کوئی شک و شبہ نہیں کہ نصِ قرآنی کے مطابق بیت المقدس کا گردونواح بابرکت ہے۔ رہی یہ بات کہ وہ بابرکت کیوں ہے؟ اس بارے میں ائمہ تفسیر نے جو بھی وجہ بیان کی اس میں نمایاں چیز نسبتِ انبیاء علیہم السلام ہے۔ اگر وہاں نزولِ ملائکہ ہے تو وہ بھی نبیوں کی وجہ سے ہے اور اگر مزاراتِ انبیاء و صالحین ہیں تو ان کی نسبت بھی ان سے ہے حتی کہ اگر مبارک عبادت گاہ ہے تو وہ بھی نبیوں کی نسبت کی وجہ سے۔

امام نسفی، علامہ آلوسی اور زمخشری لکھتے ہیں:

يريد بركات الدين والدنيا لأنه متعبد الأنبياء عليهم السلام ومهبط الوحي۔(۱)

’’اس سے مراد دین و دنیا کی برکتیں ہیں اس لئے کہ مسجدِ اقصیٰ انبیاء علیہم السلام کی عبادت گاہ اور مقامِ نزولِ وحی الٰہی ہے۔‘‘

۳۔ خطۂ شام کے بابرکت ہونے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا۔(۲)

’’اور ہم نے اس قوم (بنی اسرائیل) کو جو کمزور اور استحصال زدہ تھی اس سرزمین کے مشرق و مغرب (مصر اور شام) کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی تھی۔‘‘

---

(۱) ۱۔ نسفی، مدارك التنزيل وحقائق التأويل، ۲: ۲۷۸
۲۔ آلوسی، روح المعانی، ۱۵: ۱۱
۳۔ زمخشری، الکشاف، ۲: ۶۰۶

(۲) الأعراف، ۷: ۱۳۷

اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر خطۂ شام کو برکت سے نوازے جانے کے بارے فرمایا:

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ○(۱)

''اور ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اور لوط (علیہ السلام) کو (جو آپ کے بھتیجے یعنی آپ کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے) بچا کر (عراق سے) اس سرزمین (شام) کی طرف لے گئے جس میں ہم نے جہان والوں کے لئے برکتیں رکھی ہیں○''

خطۂ شام کو سرزمینِ انبیاء و صالحین کہا جاتا ہے۔ ائمۂ تفسیر نے لکھا ہے کہ اس آیتِ مبارکہ میں جس خطۂ زمین کو برکت سے نوازے جانے کا بیان ہے وہ شام ہے۔

۱۔ اِمام فخر الدین رازی نے لکھا ہے:

وحقّت أن تكون كذلك فهي مبعث الأنبياء صلاة الله عليهم ومهبط الوحي۔(۲)

''اور درست بات یہ ہے کہ ایسا ہی ہے کیونکہ یہ سرزمین انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور نزولِ وحی کا خطہ ہے۔''

۲۔ علامہ زمخشری نے لکھا ہے:

وبركاته الواصلة إلى العالمين أنّ أكثر الأنبياء عليهم السلام بعثوا فيه فانتشرت في العالمين شرائعهم وآثارهم الدينية، وهي البركات الحقيقيّة۔(۳)

''اس سرزمینِ شام کی برکتیں تمام جہاں کو پہنچی۔ اس طرح کہ اکثر انبیاء علیہم السلام

(۱) الأنبياء، ۲۱: ۷۱

(۲) رازی، التفسیر الکبیر، ۲۴: ۱۵۷

(۲) زمخشری، الکشاف، ۳: ۱۲۷

یہیں مبعوث ہوئے اور پوری دنیا میں ان کی شریعت اور دینی آثار پھیل گئے، اور یہی حقیقی برکات ہیں۔‘‘

۳۔ اِمام نسفی نے لکھا ہے:

أی أرض الشام بركتها أن أكثر الأنبياء منها فانتشرت فی العالمين آثارهم الدينية۔ (۱)

’’یعنی سرزمینِ شام کی طرف اور اس سرزمین کی برکتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اکثر انبیاء علیہم السلام کی بعثت یہاں ہوئی اور پھر ان کے دینی آثار دنیا میں پھیلے۔‘‘

خطۂ شام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مرکز رہا ہے لہٰذا ان کے مبارک قدموں کی وجہ سے یہ خطہ برکت والا ہوگیا۔ احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ سرزمینِ شام اللہ تعالیٰ کے منتخب بندوں انبیاء و صالحین کی سرزمین ہے، اسی لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی شام کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔

حضرت ابنِ حوالہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

سَيَصِيْرُ الْأَمْرُ إِلَى أَنْ تَكُوْنُوْا جُنُوْدًا مُجَنَّدَةً. جُنْدٌ بِالشَّامِ وَجُنْدٌ بِالْيَمَنِ وَجُنْدٌ بِالْعِرَاقِ. قَالَ ابْنُ حَوَالَةَ: خِرْ لِي يَارَسُوْلَ اللهِ! إِنْ أَدْرَكْتُ ذٰلِکَ، فَقَالَ: عَلَيْکَ بِالشَّامِ فَإِنَّهَا خِيْرَةُ اللهِ مِنْ أَرْضِهِ يَجْتَبِي إِلَيْهَا خِيْرَتَهُ مِنْ عِبَادِهِ فَأَمَّا إِذْ أَبَيْتُمْ فَعَلَيْکُمْ بِيَمَنِکُمْ وَاسْقُوْا مِنْ غُدُرِکُمْ فَإِنَّ اللهَ تَوَکَّلَ لِي بِالشَّامِ وَأَهْلِهِ۔ (۲)

’’عنقریب ایک ایسا وقت آنے والا ہے جب تمہارے لشکر الگ الگ ہوجائیں

(۱) نسفی، مدارك التنزيل وحقائق التأويل، ۳: ۸۶

(۲) أبوداؤد، السنن، كتاب الجهاد، باب في سكنى الشام، ۳: ۴، رقم: ۲۴۸۳

گے۔ ایک لشکر شام میں ہوگا تو ایک یمن میں اور ایک عراق میں۔ ابنِ حوالہ نے عرض کیا: یارسول اللہ اگر میں اُس وقت کو پاؤں تو فرمایئے میں کس لشکر میں جاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم سرزمین شام کو (سکونت کے لئے) اختیار کرنا کیونکہ سرزمین شام اللہ تعالیٰ کی بہترین زمین ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قطعۂ ارضی میں اپنے بہترین بندوں کو چن کر اکٹھا فرمائے گا، اگر تجھے یہ منظور نہ ہو تو پھر یمن کو اختیار کرنا اور اپنے حوضوں سے پانی پلاتے رہنا۔ اللہ تعالیٰ نے میری خاطر ملکِ شام کی اور اہلِ شام کی کفالت فرمائی ہے۔‘‘

فضیلتِ شام کے حوالے سے متذکرہ بالا نصِ قرآنی، حدیثِ مبارکہ اور ائمۂ تفسیر کی آراء سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ رب العزت نے خود ابوالانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے مقامِ ہجرت ملکِ شام کو بابرکت بنایا اور پھر امت کو فتنوں کے دور میں اس مبارک سرزمین میں حسبِ استطاعت سکونت اختیار کرنے کی ترغیب بھی فرمائی۔

غور طلب بات یہ ہے کہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی ہے، وہی پوری دنیا کا خالق و مالکِ حقیقی ہے پھر اس قادر و قیوم ذاتِ وحدہٗ لا شریک نے زمین کے ایک ٹکڑے کو مبارک قرار دیا۔ اس سے یہی بات مستنبط ہوتی ہے کہ خالقِ کائنات کی طرف سے عطا کردہ کسی بابرکت مقام یا ہستی سے اگر ایک بندہ مؤمن تبرک اختیار کرے تو یہ صحیح اور درست امر ہے اسے خلافِ شرع اور منافیٔ توحید قرار نہیں دیا جاسکتا۔

۴۔ یمن کے بارے میں اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً۔[1]

’’اور ہم نے ان باشندوں کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دے رکھی تھی، (یمن سے شام تک) نمایاں (اور) متصل بستیاں آباد کر دی تھیں۔‘‘

(۱) سبا، ۳۴: ۱۸

۵۔ عام زمین کو خیر کے اِعتبار سے کئی صورتوں میں متبرک بنایا گیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ۔(۱)

’’اور اُس کے اندر (سے) بھاری پہاڑ (نکال کر) اس کے اوپر رکھ دیئے اور اس کے اندر (معدنیات، آبی ذخائر، قدرتی وسائل اور دیگر قوتوں کی) برکت رکھی، اور اس میں (جملہ مخلوق کے لئے) غذائیں (اور سامانِ معیشت) مقرر فرمائے (یہ سب کچھ اس نے) چار دنوں (یعنی چار ارتقائی زمانوں) میں مکمل کیا۔‘‘

۴۔ زمان کے بابرکت ہونے کا بیان

قرآن مجید میں بعض زمانوں کے بابرکت ہونے کو بھی بیان کیا گیا ہے، نزولِ قرآن کی رات (شبِ قدر) کے بارے میں فرمایا:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ○(۲)

’’بے شک ہم نے اسے ایک با برکت رات میں اتارا ہے، بے شک ہم ڈر سنانے والے ہیں○‘‘

اس آیت کے تحت شیخ ابنِ عربی لکھتے ہیں:

البرکة: هی النماء والزيادة وسماها مبارکة لما يعطی الله فيها من المنازل ويغفر من الخطايا ويقسم من الحظوظ ويبث من الرحمة وينيل من الخير و هی حقيقة ذلک وتفسيره۔(۳)

(۱) حم السجدة، ۴۱: ۱۰

(۲) الدخان، ۴۴: ۳

(۳) ابن عربی، أحکام القرآن، ۴: ۱۱۷

’’برکت کا معنی کسی چیز میں بڑھوتری اور اِضافہ ہے۔ نزولِ قرآن کی رات کو اس لئے مبارک قرار دیا کہ اس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بلند درجات عطا فرماتا ہے، گناہوں کی بخشش فرماتا ہے، سعادت و خوش قسمتی اور خیر و فضل تقسیم فرماتا ہے، اپنی رحمت کو پھیلاتا ہے اور خیر و بھلائی عطا فرماتا ہے۔ یہی اس رات کے بابرکت ہونے کا حقیقی معنی اور اس کی تفسیر ہے۔‘‘

۵۔ بعض اشیاء کے بابرکت ہونے کا بیان

قرآن مجید میں بعض اشیاء کے بابرکت ہونے کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے زیتون کے درخت کو بابرکت قرار دیا ہے، ارشادِ ربانی ہے:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّ لَا غَرْبِيَّةٍ۔ (۱)

’’اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال (جو نورِ محمدی ﷺ کی شکل میں دنیا میں روشن ہے) اس طاق (نما سینۂ اقدس) جیسی ہے جس میں چراغِ (نبوت روشن) ہے، (وہ) چراغ، فانوس (قلبِ محمدی ﷺ) میں رکھا ہے۔ (یہ) فانوس (نورِ الٰہی کے پَرتَو سے اس قدر منور ہے) گویا ایک درخشندہ ستارہ ہے (یہ چراغِ نبوت) جو زیتون کے مبارک درخت سے (یعنی عالمِ قدس کے بابرکت رابطہ وحی سے یا انبیاء و رسل ہی کے مبارک شجرۂ نبوت سے) روشن ہوا ہے نہ (فقط) شرقی ہے اور نہ غربی (بلکہ اپنے فیضِ نور کی وسعت میں عالم گیر ہے)۔‘‘

۲۔ بارش کے پانی کو بھی مبارک قرار دیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا۔ (۲)

---

(۱) النور، ۲۴: ۳۵

(۲) ق، ۵۰: ۹

’’اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی برسایا۔‘‘

۶۔ نام کی نسبت سے حصولِ برکت

قرآن مجید میں ایک مقام پر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ سیدہ مریم علیہا السلام کا ذکر ہارون کی بہن کہہ کر ہوا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ۔ (۱)

’’اے ہارون کی بہن!‘‘

ائمۂ تفسیر نے لکھا ہے کہ یہ خاتون حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں اور ان کے ایک بھائی کا نام حضرت ہارون علیہ السلام کی نسبت سے ’’ہارون‘‘ تھا اس لئے ان کو ہارون کی بہن کہا گیا۔

كان لها أخ من أبيها اسمه هارون لأن هذا الاسم كان كثيرًا في بني إسرائيل تبركاً باسم هارون أخي موسى۔ (۲)

’’حضرت مریم علیہا السلام کے علاتی بھائی کا نام ہارون تھا کیونکہ بنی اسرائیل میں یہ نام رکھنے کا بہت رواج تھا۔ لوگ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے نام کی نسبت سے تبرکاً اسے رکھتے تھے۔‘‘

قرآن مجید میں بیان کردہ مبارک یا متبرک انبیاء علیہم السلام، خود قرآن حکیم، اماکنِ مقدّسہ، اشیاء اور زمان کی اِن اقسام سے معلوم ہوا کہ مخلوق میں سے بعض کو خالقِ کائنات کی طرف سے بابرکت ہونے کا رتبہ ملا ہے جس کے باعث اُن کا مقام باقی تمام مخلوق سے جدا اور ممتاز ہو جاتا ہے۔

---

(۱) مریم، ۱۹:۲۸

(۲) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۱۱:۱۰۰

اس تفصیل سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ خود آثارِ انبیاء و رسل اور صالحین کے مزارات اور مقدّس مقامات کو بابرکت قرار دیتا ہے اور اس برکت سے تبرک کی تعلیم دیتا ہے۔

اَنبیاء علیہم السلام نے خود واسطۂ تبرک اِختیار کیا

نصوصِ قرآن سے ثابت ہے کہ اللہ رب العزت کے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام نے تبرک و تیمّن کا واسطہ اختیار کیا جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ عمل شرک اور خلافِ توحید نہیں۔ قرآنِ حکیم میں درج ذیل ارشادات اس کا بیّن ثبوت ہیں:

۱۔ قمیصِ یوسف علیہ السلام سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا تبرک

سورۂ یوسف میں حضرت یعقوب علیہ السلام اور اُن کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کا طویل واقعہ بیان ہوا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے دھوکہ سے انہیں کنوئیں میں ڈال دیا تو مصر کے چند تاجر انہیں اپنے ساتھ مصر لے گئے، جس کی وجہ سے باپ بیٹے کی جدائی میں کئی سال گزرے۔ لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے کی جدائی نہ بھولے تھے اور آنسو بہا بہا کر نابینا ہوگئے۔ کئی سال بعد جب حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے بھائیوں کے توسط سے باپ کی بینائی جانے کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے اپنا قمیص تبرک کے لئے اپنے والدِ محترم حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس بھیجا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ بات سورۂ یوسف میں یوں درج ہے:

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَأَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ أَبِيْ يَأْتِ بَصِيْرًا ○[1]

’’(یوسف علیہ السلام نے کہا:) میری یہ قمیض لے جاؤ، سو اِسے میرے باپ (یعقوب علیہ السلام) کے چہرے پر ڈال دینا، وہ بینا ہوجائیں گے۔‘‘

(۱) یوسف، ۱۲: ۹۳

اس کے بعد کے واقعہ کو قرآنِ کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

فَلَمَّآ أَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ أَلْقٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا۔(۱)

’’پھر جب خوش خبری سنانے والا آ پہنچا اس نے وہ قمیص یعقوب (علیہ السلام) کے چہرے پر ڈال دیا تو اسی وقت ان کی بینائی لوٹ آئی۔‘‘

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے اور اپنے والدِ گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام کے درمیان قمیص کا واسطہ قائم کیا جس کی برکت سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی کھوئی ہوئی بینائی لوٹ آئی لہٰذا ان کا یہ عمل شرک نہ ہوا۔ ان آیاتِ مبارکہ سے درج ذیل امور ثابت ہوئے:

۱۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی لوٹانے والی ذاتِ حقیقی خالقِ کائنات کی تھی۔ پس اُن کی بینائی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے لوٹی لیکن اس کا سبب حضرت یوسف علیہ السلام کا قمیص بنا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ جل جلالہ بغیر کسی واسطہ کے اُن کو بینا کرسکتا تھا لیکن اس واقعہ سے اللہ رب العزت نے اپنے انبیاء سے مس شدہ چیز کی برکت کا اظہار فرمایا ہے۔

۲۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے قمیص سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی کے لوٹ آنے سے اللہ تعالیٰ نے تاقیامت آنے والے انسانوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ اس دنیا میں بعض ذوات، اشیاء اور اماکن وغیرہ اللہ ﷻ کے ہاں غیر معمولی قدر ومنزلت رکھتے ہیں جن کو برکت سے نوازا گیا ہے۔ ان کی وجہ سے بیمار شفایاب ہوتے ہیں، دعائیں قبول ہوتی ہیں اور گناہوں کی بخشش ومغفرت ملتی ہے۔

۳۔ جس چیز کو انبیاء کرام اور صلحاءِ عظام سے نسبت ہوجائے اس سے تبرک کرنا توحید کے منافی نہیں کیونکہ قمیض بھیجنے والے بھی اللہ کے برگزیدہ نبی علیہ السلام اور

(۱) یوسف، ۱۲: ۹۶

اس وسیلہ سے فائدہ اٹھانے والے بھی اللہ کے برگزیدہ نبی علیہ السلام ہیں اور بیان کرنے والا ماحیٔ شرک یعنی قرآن ہے۔

۴۔ جَآءَ الْبَشِيْرُ کے اعتبار سے یہ تبرک اگرچہ ظاہراً بغیر النبی ہے لیکن فی الحقیقت یہ تبرک بآثار النبی ہے۔

۵۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر قمیض ڈالتے وقت بشارت دینے والے نے زبان سے کچھ نہ کہا بلکہ صرف قمیض کی برکت سے بینائی لوٹ آئی جو تبرکِ نفسی کی طرف اشارہ ہے۔

۶۔ غیرِ نبی سے بھی برکت حاصل کرنا سنتِ انبیاء علیہم السلام سے ثابت ہے۔ اس آیتِ کریمہ میں یہ امر بطورِ خاص توجہ طلب ہے کہ ایک پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام تبرک کا حکم دے رہے ہیں اور دوسرے پیغمبر حضرت یعقوب علیہ السلام اس قمیض سے برکت حاصل کر رہے ہیں یعنی قمیض متبرَّک بہٖ ہے۔ لہٰذا جب پیغمبر کی قمیض سے تبرک امرِ جائز ہے تو اس سے تبرک بآثار الانبیاء اور تبرک بالصالحین کا عقیدہ بھی از خود ثابت ہوجاتا ہے۔

۲۔ حجرۂ مریم علیہا السلام سے حضرت زکریا علیہ السلام کا تبرک

حضرت زکریا علیہ السلام نے جب حضرت مریم علیہا السلام کے حجرے میں بے موسم پھلوں کو دیکھا تو اسی جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ○[1]

(۱) آل عمران، ۳: ۳۸

’’اسی جگہ زکریا (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دعا کی، عرض کیا: میرے مولا! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بیشک تو ہی دعا کا سننے والا ہےo‘‘

اس سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کا واسطۂ تبرک و تیمّن اور واسطۂ توسل اختیار کرنا شرک نہ تھا اگر ایسا ہوتا تو اللہ رب العزت خصوصیت کے ساتھ قرآن میں اس کا ذکر نہ فرماتا کیونکہ الفاظِ ربانی یوں ہیں: ﴿هُنَا لِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ﴾ یعنی اُسی جگہ زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی۔

۳۔ قدمینِ ابراہیم علیہ السلام کا بابرکت ہونا

ابو الانبیاء سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے مبارک قدم تعمیرِ کعبہ کے دوران جس پتھر پر لگے وہ بھی باعثِ خیر و برکت اور تکریم و تعظیم ہوا، لوگ اس سے برکت حاصل کرتے ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ط وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى. (۱)

’’اور (یاد کرو) جب ہم نے اس گھر (خانہ کعبہ) کو لوگوں کیلئے رجوع (اور اجتماع) کا مرکز اور جائے امان بنا دیا، اور (حکم دیا کہ) ابراہیم (علیہ السلام) کے کھڑے ہونے کی جگہ کو مقامِ نماز بنا لو۔‘‘

حدیثِ مبارکہ کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان حضور نبی اکرم ﷺ کے نشانِ قدوم سے گہری مماثلت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بنی اسرائیل کے علماء اس متبرک و مقدس پتھر پر یہ نشان دیکھ کر قریشِ مکہ سے پوچھا کرتے کہ کیا یہ قدموں کے نشان محمد بن عبداللہ (ﷺ) کے ہیں؟ اس بات کی تصدیق ہونے پر وہ اس سے برکت حاصل کیا کرتے تھے۔ یہ اس دور کی بات ہے جب آپ ﷺ نے ابھی اعلانِ نبوت نہیں فرمایا تھا لیکن یہودیوں کے بعض علماء نے مقامِ ابراہیم (علیہ السلام) پر کچھ ایسی نشانیاں دیکھیں

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۲۵

کہ وہ لوگ ان سے برکت حاصل کرنے کے لئے آنے لگے۔ ان کو کتب سماویہ سے یہ معلوم ہوگیا تھا کہ وہ خاتم الانبیاء ہوں گے۔

صالحین سے منسوب اَشیاء سے حصولِ برکت کا بیان

محولہ بالا ارشاداتِ قرآنی میں انبیاء اور صالحین کے آثار و تبرکات سے بذاتِ خود انبیاء علیھم السلام کا اور عوام الناس کے تبرک کا واضح ثبوت ہے۔ ذیل میں ہم قرآن وحدیث سے چند وہ حوالے درج کریں گے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آثارِ انبیاء علیھم السلام اور اولیاء سے برکت حاصل کرنا سابقہ امم کا طریقہ تھا جس کو آقا علیہ السلام نے برقرار رکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبعین اسی منہاج پر گامزن رہے۔

۱۔ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے آثار سے تبرک

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے تبرکات کا ذکر قرآنِ حکیم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے باقاعدہ اہتمام کے ساتھ ایک خاص تاریخی پسِ منظر میں فرمایا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ أَنْ يَّأْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ط إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○(۱)

’’اور ان کے نبی نے ان سے فرمایا: اس کی سلطنت (کے مِنْ جانبِ اللہ ہونے) کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس صندوق آئے گا اس میں تمہارے رب کی طرف سے سکونِ قلب کا سامان ہوگا اور کچھ آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہوں گے اسے فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہوگا، اگر تم ایمان

(۱) البقرة، ۲: ۲۴۸

والے ہو تو بے شک اس میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے o‘‘

یہ امر واضح رہے کہ ہم نے مندرجہ بالا آیت کے ترجمہ میں ’تبرکات‘ کا لفظ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے لیا ہے۔ ائمہ تفسیر نے ﴿وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ﴾ سے مراد تبرکات لیے ہیں جس کی تفصیل کم و بیش تفسیر کی ہر کتاب میں ہے۔ ذیل میں چند تفاسیر کے حوالہ جات دیئے جا رہے ہیں:

۱۔ امام فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں:

قال أصحاب الأخبار: إن الله تعالٰی أنزل علی آدم علیہ السلام تابوت فيه صور الأنبياء من أولاده فتوارثه أولاد آدم إلى أن وصل إلى يعقوب ثم بقي في أيدي بني إسرائيل، فكانوا إذا اختلفوا في شيء تكلم وحكم بينهم، وإذا حضروا القتال قدموه بين أيديهم يستفتحون به على عدوهم۔(۱)

’’مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر ایک تابوت نازل فرمایا جس میں سیدنا آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے انبیاء علیہم السلام کی تصاویر تھیں۔ وہ تابوت اولادِ آدم میں وراثتاً منتقل ہوتے ہوئے حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا، پھر یہ بنی اسرائیل کے قبضے میں رہا۔ جب کبھی ان کے درمیان کسی مسئلے پر اختلاف ہوتا تو یہ تابوت کلام کرتا اور فیصلہ سناتا اور جب وہ کسی جنگ کے لئے جاتے تو اپنے آگے اس تابوت کو رکھتے جس کے ذریعے وہ اپنے دشمنوں پر فتح پاتے۔‘‘

۲۔ امام بغویؒ معالم التنزیل میں آیت ﴿وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ﴾ سے مراد حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے تبرکات لیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

(۱) رازی، التفسیر الکبیر، ۶: ۱۴۹

﴿وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ﴾ يعني موسىٰ وهارون نفسهما. كان فيه لوحان من التوراة ورضاض الألواح التي تكسرت وكان فيه عصا موسىٰ ونعلاه وعمامة هارون وعصاه وقفيز من المن الذي كان ينزل على بني اسرائيل۔[1]

﴿اور کچھ آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہوں گے﴾ آل سے مراد خود حضرت موسیٰ و ہارون علیہا السلام کے تبرکات ہیں اس میں تورات کی دو مکمل تختیاں اور کچھ ان تختیوں کے کوٹے ہوئے ٹکڑے تھے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور نعلین اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ اور عصا اور (جنت کا کھانا) مَن جو بنی اسرائیل پر نازل ہوتا تھا اس کا ٹکڑا بھی اس میں شامل تھا۔''

علاوہ ازیں ''تنوير المقباس من تفسير ابن عباس (۱: ۵)'' میں، امام طبری نے ''جامع البيان فی تفسير القرآن (۲: ۶۱۴ ۳)'' میں، علامہ زمخشری نے ''الكشاف (۱: ۳۲۱)'' میں، علامہ ابنِ کثیر نے ''تفسير القرآن العظيم (۱: ۳۰۲)'' میں، امام سیوطی نے ''الدر المنثور (۱: ۲۷۵۸)'' میں، امام آلوسی نے ''روح المعانی (۲: ۱۶۹)'' میں، علامہ شوکانی نے ''فتح القدير (۱: ۲۶۷)'' میں، علامہ ابو سعود محمد عمادی نے إرشاد العقل السليم إلى مزايا القرآن الكريم (۱: ۲۴۱)'' میں اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے ''تفسير المظهری (۱: ۲۴۹)'' میں زیرِ بحث آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ﴿وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ﴾ سے مراد حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے تبرکات لئے ہیں۔ ان تبرکات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور نعلین مبارک، حضرت ہارون علیہ السلام کا

(۱) ۱۔ بغوی، معالم التنزيل، ۱: ۲۲۹
۲۔ سيوطی، تفسير الجلالين، ۱: ۵۴
۳۔ أبو الليث سمرقندی، تفسير سمرقندی، ۱: ۱۸۸

عصا اور عمامہ، ان کا لباس، تورات کے بعض اجزاء اور مَن کے ٹکڑے جو بنی اسرائیل پر (آسمان سے) نازل ہوتا تھا، شامل تھے۔

۳۔ مکتبِ دیوبند فکر سے تعلق رکھنے والے مولانا عبدالماجد دریا آبادی سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۴۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اَلتَّابُوْتُ۔ اس خاص صندوق کا اصطلاحی نام تابوتِ سکینہ ہے۔ یہ بنی اسرائیل کا اہم ترین ملی اور قومی ورثہ تھا۔ اس میں تورات کا اصل نسخہ مع تبرکاتِ انبیاء محفوظ تھا۔ بنی اسرائیلی اس کو انتہائی برکت ومقدس سمجھتے تھے۔ سفر وحضر، جنگ و امن ہر حال میں اسے بڑی حفاظت سے اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ یہ کچھ ایسا بڑا نہ تھا۔ موجودہ علماءِ یہود کی تحقیق کے مطابق اس کی پیمائش حسبِ ذیل تھی:

طول ..... دو فٹ چھ انچ

عرض ..... ایک فٹ چھ انچ

بلندی ..... ایک فٹ چھ انچ

بنی اسرائیل اپنی ساری خوش بختی اسی سے وابستہ سمجھتے تھے، مدت ہوئی فلسطینی اسے ان سے چھین کر لے گئے تھے، اسرائیلی اسے اپنے حق میں انتہائی نحوست و بد طالعی سمجھ کر اس کی واپسی کے لیے نہایت درجہ بیتاب ومُضطرب تھے۔

طالوت کے وقت میں یہ تابوت واپس آجانے کے بعد تاریخ کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل کے قبضہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام (م ۹۳۳ ق م) تک رہا، اور آپ نے بیت المقدس میں ہیکلِ سلیمانی کی تعمیر کے بعد اسی میں اُسے بھی رکھ دیا تھا، اس کے بعد سے اس کا پتہ نہیں چلتا، یہود کا عام خیال یہ ہے کہ یہ تابوت اب بھی ہیکلِ سلیمانی کی بنیادوں کے اندر دفن ہے۔''(۱)

(۱) عبدالماجد دریا آبادی، تفسیر ماجدی، ۱: ۴۵۹

۴۔ مولانا اشرف علی تھانوی اپنی تفسیر ''بیان القرآن'' میں لکھتے ہیں:

''(اور جب اُن لوگوں نے پیغمبر سے یہ درخواست کی کہ اگر کوئی ظاہری حجت بھی ان کی من جانب اللہ بادشاہ ہونے کی ہم مشاہدہ کرلیں تو اور زیادہ اطمینان ہو جاوے اُس وقت) اُن سے اُن کے پیغمبر نے فرمایا کہ اُن کے (من جانب اللہ) بادشاہ ہونے کی یہ علامت ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق (بدوں تمہارے لائے ہوئے) آجاوے گا جس میں تسکین (اور برکت) کی چیز ہے۔ تمہارے رب کی طرف سے (یعنی تورات اور تورات کا من جانب اللہ ہونا ظاہر ہے) اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جن کو حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام چھوڑ گئے ہیں (یعنی ان حضرات کے کچھ ملبوسات وغیرہ غرض) اُس صندوق کو فرشتے لے آویں گے۔ اس (طرح سے صندوق کے آ جانے) میں تم لوگوں کے واسطے پوری نشانی ہے۔ اگر تم یقین لانے والے ہو۔ اس صندوق میں تبرکات تھے۔''

مزید حاشیے میں لکھتے ہیں: قولہ تعالیٰ ﴿يَأْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ﴾

''اِس میں اصل ہے آثارِ صالحین سے برکت حاصل کرنے کی۔''(۱)

اس تفصیل سے مقصود یہ امر واضح کرنا ہے کہ جب بنی اسرائیل کو انبیاء علیہم السلام کے تبرکات کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کے دنیوی و اخروی اور ظاہری و باطنی فوائد عطا فرمائے تھے جس پر قرآن مجید خود شاہد ہے تو کیا امتِ محمدی ﷺ کو حضور نبی اکرم ﷺ سے قلبی نسبت و تعلق اور سچی محبت و ادب کے ذریعے ظاہری و باطنی تبرکات و فیوضات نصیب نہیں ہوں گے؟ کیوں نہیں! یقیناً پہلی امتوں سے کہیں زیادہ بڑھ کر نصیب ہوں گے۔ ہم نے حضور نبی اکرم ﷺ سے فقط ذہنی اور فکری تعلق استوار کیا ہے مگر قلبی اور باطنی تعلق کمزور کر لیا ہے۔ جو لوگ آج بھی حضور ﷺ سے ایسا قلبی و

(۱) اشرف علی تھانوی، بیان القرآن، ۱: ۱۴۵

روحانی رشتہ قائم کر لیتے ہیں وہ اپنی زندگی میں اب بھی آپ ﷺ کے الطافِ کریمانہ اور فیوضاتِ رحیمانہ کے نظارے کرتے ہیں۔

۲۔ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی سے منسوب کنویں سے تبرک

اللہ رب العزت صرف انبیاء کرام علیہم السلام اور اپنے مقرب بندوں کو ہی بابرکت نہیں بناتے بلکہ انہیں عطا کردہ چیزوں میں اتنی برکت اور تاثیر رکھ دیتے ہیں کہ اُن سے نسبت شدہ چیزوں کو بھی متبرک بنا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح کا ایک واقعہ تاریخ کے اوراق میں احادیثِ صحیحہ سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی سے منسوب کنوئیں کے بارے میں بھی ملتا ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام مبارک نبی تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں معجزہ کے طور پر اونٹنی عطا فرمائی تھی لہٰذا اس کے بابرکت ہونے میں بھی شک کی کوئی گنجائش نہیں، لیکن بات صرف یہاں ختم نہ ہوئی بلکہ وہ اونٹنی جس کنوئیں سے پانی پیتی تھی اس کو بھی نبی کی نسبت سے متبرک بنا دیا گیا۔

تاریخی پسِ منظر یوں ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی ایک کنویں سے پانی پیتی تھی۔ ایک پورا دن اس کے لئے خاص تھا، قومِ صالح کو یہ ناگوار گزرا اور انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی طرف سے عذابِ الٰہی کی وعید کے باوجود اس اونٹنی کو ذبح کر ڈالا نتیجتاً اللہ رب العزت کا عذاب نازل ہوا اور پوری قوم ہلاک ہوگئی۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور نبی اکرم ﷺ کا اپنے جانثار صحابہ کے ہمراہ جب اس مقام پر سے گزر ہوا تو اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو اس مقام سے آگاہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس وادی سے تیزی کے ساتھ گزرنے کا حکم دیا اور تباہ شدہ قوم کے کنویں سے پانی پینے سے منع فرمایا نیز اس سے آٹا گوندھنے اور برتن دھونے سے بھی منع فرمایا بلکہ گوندھا ہوا آٹا اور جمع کیا ہوا پانی پھینکنے کا حکم دیا۔ اس کی بجائے انہیں اس مبارک کنویں کا پانی استعمال کرنے کی ترغیب دی جس سے حضرت

صالح علیہ السلام کی اونٹنی پیا کرتی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ النَّاسَ نَزَلُوْا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ أَرْضَ ثَمُوْدَ الْحِجْرَ فَاسْتَقَوْا مِنْ بِئْرِهَا وَاعْتَجَنُوْا بِهٖ، فَأَمَرَهُمْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَنْ يُهَرِيقُوا مَا اسْتَقَوْا مِنْ بِئْرِهَا وَأَنْ يَعْلِفُوْا الإِبِلَ الْعَجِيْنَ وَأَمَرَهُمْ أن يَسْتَقُوْا مِنَ الْبِئْرِ الَّتِي كَانَتْ تَرِدُهَا النَّاقَةُ۔(۱)

''لوگ حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ثمود کی سرزمین حجر میں اُترے۔ اس کے کنوؤں سے پانی نکالا اور اس سے آٹا گوندھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ اس وادی کے کنویں سے جو پانی نکالا ہے اسے پھینک دو اور گوندھا ہوا آٹا اونٹوں کو کھلا دو۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا وہ اس (مبارک) کنویں سے پانی لیں جس پر حضرت صالح علیہ السلام کی اُونٹنی آتی تھی۔''

امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر ''الجامع لأحکام القرآن'' میں سورۃ الحجر کی مذکورہ آیت کی تفسیر میں حضور نبی اکرم علیہ السلام کے مندرجہ بالا اِرشاد سے تبرک بالآثار کا استنباط کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

أمره ﷺ أن يستقوا من بئر الناقة دليل على التبرک بآثار الأنبياء والصالحين وإن تقادمت أعصارهم وخيفت آثارهم۔(۱)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب: قول الله تعالی: وَإِلٰى ثَمُوْدَ أَخَاهُمْ صَالِحًا، ۳: ۱۲۳۷، رقم: ۳۱۹۹

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزهد والرقائق، باب: لا تدخلوا مساکن الذین ظلموا أنفسهم، ۴: ۲۲۸۶، رقم: ۲۹۸۰

(۱) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۱۰: ۴۷

’’حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد فرمانا کہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے کنویں سے پانی لو، انبیاء و صالحین کے آثار سے تبرک پر دلیل ہے اگرچہ زمانے گذر چکے ہوں اور ان کے مبارک آثار آنکھوں سے اوجھل ہو چکے ہوں۔‘‘

اسی حدیث کی تشریح میں شارح صحیح مسلم امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث مبارکہ سے متعدد فوائد کا ثبوت ہے:

ومنها مجانبة آبار الظالمين والتبرک بآبار الصالحين۔ (۱)

’’ان میں ظالموں کے منحوس کنوؤں سے اجتناب اور صالحین کے مبارک کنوؤں سے برکت حاصل کرنا مراد ہے۔‘‘

امام نووی کی یہ تشریح دراصل سلف صالحین کے عقیدہ کی ترجمان ہے کہ کس طرح وہ صالحین اور ان کے آثار سے برکت حاصل کرتے تھے، لہٰذا قرآن وسنت پر مبنی صحیح سلفی عقیدہ یہی ہے کہ بعض مقامات بھی بابرکت ہوتے ہیں اور ان کا مبارک ہونا کسی نیک بندے یا کسی شعائر اللہ کی نسبت کے باعث ہوتا ہے۔ اب متذکرہ بالا آیتِ کریمہ سے یہ ثابت ہوا کہ جس طرح نیک بندگانِ خدا کی نسبت سے کوئی جگہ مبارک ہوسکتی ہے تو اس کے برعکس ظالم، نافرمان اور گستاخانِ رسول قوم کی وجہ سے کوئی خطہ منحوس بھی ہوسکتا ہے۔ جس طرح صالحین سے منسوب مبارک مقامات سے تبرک درست ہے اسی طرح ظالمین سے منسوب مقامات سے پناہ مانگنا بھی سنتِ نبوی ﷺ سے ثابت ہے۔

کثیر احادیثِ مبارکہ سے تبرکاتِ صالحین کی اصل ثابت ہے۔ اس پر تفصیلی بحث اگلے ابواب میں ملاحظہ کریں۔

---

(۱) نووی، شرح صحیح مسلم، ۱۸: ۱۱۲

تبرک اختیار کرنے میں کوئی شرکیہ عنصر نہیں ہے

انبیاء و صالحین کا واسطۂ تبرک اختیار کرنا نصوصِ قرآن اور کثیر احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے۔ جب واسطہ تبرک قرآن و حدیث سے ثابت ہے تو اسے ہرگز واسطہ شرکیہ نہیں گردانا جا سکتا۔

جمہور اُمت کا یہ عقیدہ ہے کہ آثار اور نشانیوں میں از خود کوئی فضیلت نہیں ہے۔ ان مقدّس اماکن و مقامات کی تعظیم و تکریم کرنا اور اس سے خیر و برکت حاصل کرنا اِس وجہ سے ہے کہ یہ بہت سی خیر اور نیکیوں کا باعث، ذریعہ اور وسیلہ ہوتے ہیں۔ مقربینِ بارگاہِ الٰہی ان اماکن و مقامات میں مراقب ہو کر عبادت و ریاضت اور ذکر و اذکار کرتے رہے۔ ان عبادات کی وجہ سے ان میں ربِ رحمٰن کی رحمتوں اور عنایتوں کا نزول ہوتا رہا اور ملائکہ مقربین کی آمد ہوئی، پس اس لیے ربِ کائنات کی خصوصی رحمت نے ان اماکن اور آثار کو گھیرا ہوا ہے۔ اسی نسبت سے یہ برکت مقصود ہوتی ہے جس کو ان مقامات میں اللہ تعالیٰ سے ہی طلب کیا جاتا ہے۔

مقدّس مقامات ہوں یا مقرب اشخاص، ان سے برکت انہیں بالذات مؤثر مان کر حاصل نہیں کی جاتی بلکہ ان مقامات پر حاضر ہو کر اللہ رب العزت کی طرف متوجہ ہو کر دعا و استغفار کے ذریعہ مانگا جاتا ہے۔ ان مقامات میں جو عظیم واقعات پیش آتے ہیں ان کا ذکر کیا جاتا ہے، مقرب ہستیوں کی ہمت و معرفت کا بیان ہوتا ہے جس سے قلب و باطن میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور حوصلوں کو جلا ملتی ہے۔ محبوبانِ بارگاہِ الٰہی کے ساتھ ظاہری و باطنی قربت کا جذبہ بیدار ہوتا ہے، یہی تبرک ہے اور اسی کو جمہور امت نے اختیار کیا ہے۔ اس میں کوئی شرکیہ عنصر نہیں ہاں اگر کوئی شخص جان بوجھ کر ان اماکن و اشخاص سے بالذات تاثیر کا عقیدہ رکھے تو یہ شرک کے زمرے میں آتا ہے۔

فصل دُوُم

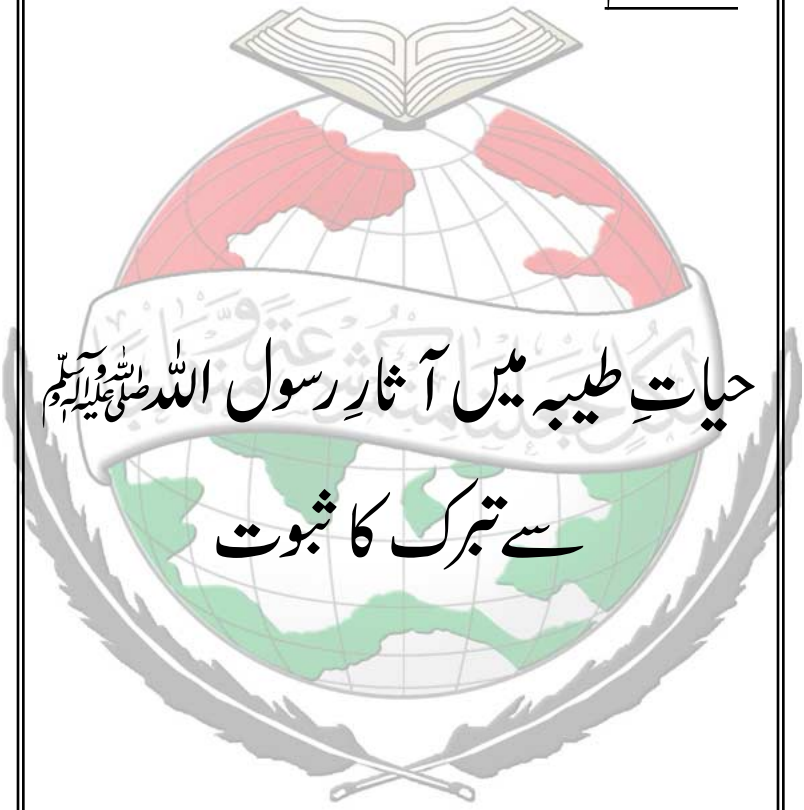

حیاتِ طیبہ میں آثارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تبرک کا ثبوت

www.MinhajBooks.com

کتبِ احادیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام ﷺ حضور نبی اکرم ﷺ سے دعا کرانے کے علاوہ بھی بہت سی صورتوں میں آپ ﷺ سے تبرک حاصل کرتے تھے، مثلاً آپ ﷺ کے جسمِ اطہر کو تبرکاً مس کرتے۔ آپ ﷺ کے وضو سے بچے ہوئے پانی سے برکت حاصل کرتے۔ جس پانی سے آپ ﷺ اپنا دستِ مبارک دھوتے اسے اپنے چہروں اور بدن کے حصوں پر مل کر برکت حاصل کرتے۔ اسی طرح آپ ﷺ کے بچے ہوئے کھانے سے برکت حاصل کرتے، آپ ﷺ کے پسینہ مبارک، لعابِ دہن، موئے مبارک، انگوٹھی مبارک، بستر مبارک، چارپائی مبارک اور چٹائی مبارک سے برکت حاصل کرتے تھے۔ الغرض وہ ہر اس چیز سے برکت حاصل کرتے جس کی حضور ﷺ کے جسمِ اقدس سے تھوڑی یا زیادہ نسبت ہوتی بلکہ جن مبارک مکانوں اور رہائش گاہوں میں حضور نبی اکرم ﷺ نے سکونت اختیار فرمائی، جن مقدس جگہوں پر آپ ﷺ نے نمازیں ادا فرمائیں، جن بخت رسا راہوں سے آپ ﷺ گزرے، ان کے گرد و غبار تک سے بھی انہوں نے برکت حاصل کی۔ اس حوالے سے تفصیلی مطالعہ کے لئے ہماری کتاب ''تبرک کی شرعی حیثیت'' ملاحظہ فرمائیں۔ چند احادیثِ مبارکہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

۱۔ اِسمِ محمد ﷺ سے حصولِ برکت

حضور نبی اکرم ﷺ کے دیگر شمائل و خصائص کی طرح آپ ﷺ کے نام مبارک کے فضائل و برکات بھی بے شمار ہیں۔

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے حدیثِ قدسی بیان کی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

وعزتي و جلالي! لا أعذب أحدًا تسمى باسمک في النار۔ (۱)

''(اے حبیبِ مکرم!) مجھے اپنی عزت اور بزرگی کی قسم! میں کسی ایسے شخص کو آگ کا عذاب نہیں دوں گا جس کا نام آپ کے نام پر ہوگا۔''

علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ اس حدیثِ مبارکہ میں نام سے مراد حضور نبی اکرم ﷺ کا مشہور اسم گرامی ''محمد ﷺ'' یا ''اَحمد ﷺ'' ہے۔

۲۔ ایک روایت میں ہے کہ محمد نام رکھنے سے انسان میں برکت آجاتی ہے اور جس گھر یا مجلس میں محمد نام کا شخص ہو وہ گھر اور مجلس بابرکت ہو جاتی ہے۔ (۲)

۳۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما اجتمع قوم قط في مشورة معهم رجل اسمه محمد، لم يدخلوه في مشورتهم إلا لم يبارک لهم۔ (۳)

''کوئی قوم مشورہ کے لئے جمع ہو جن کے اندر محمد نام والا کوئی شخص موجود ہو اور وہ اُسے اپنے مشورہ میں شامل نہ کریں تو اُن کے کام میں برکت نہیں ہوگی۔''

۴۔ امام مالکؒ کا قول ہے:

---

(۱) حلبی، إنسان العیون (السیرۃ الحلبیۃ)، ۱: ۱۳۵

(۲) ۱۔ شعرانی، کشف الغمۃ، ۱: ۲۸۳

۲۔ حلبی، إنسان العیون، ۱: ۱۳۵

(۳) ۱۔ خطیب بغدادی، موضح أوھام الجمع والتفریق، ۱: ۴۴۶

۲۔ حلبی نے ''إنسان العیون (۱: ۱۳۵)'' میں کہا ہے حفاظِ حدیث نے اِس روایت کی صحت کا اِقرار کیا ہے۔

ما كان في أهل بيت اسم محمد إلا كثرت بركته۔[1]

’’جس گھر میں بھی محمد نام کا شخص ہو اُس میں برکت پھیل جاتی ہے۔‘‘

۵۔ اِمام حلبی ’’اِنسان العیون (۱: ۱۳۶)‘‘ میں روایت کرتے ہیں:

من كان له ذو بطن فاجمع أن يسميه محمدًا رزقه الله غلامًا، ومن كان لا يعيش له ولد فجعل لله عليه أن يسمى الولد المرزوق محمدا عاش۔[2]

’’جس کی بیوی حاملہ ہو اور وہ بچہ کا نام محمد رکھنے کا اِرادہ کرے تو اللہ تعالیٰ اُسے بیٹا عطا کرے گا اور جس کا بچہ زندہ نہ رہتا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر اِرادہ کرلے کہ وہ ہونے والے بچہ کا نام محمد رکھے گا تو اُس کا بچہ زندہ رہے گا۔‘‘

۲۔ جائے نماز سے حصولِ برکت

’’صحیح بخاری‘‘ میں حضرت عِتبان بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری اور نماز پڑھانے کا واقعہ درج ہے، جسے ائمۂ حدیث نے تبرک کے باب میں حجت قرار دیا ہے۔ حضرت محمود بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ، وَهُوَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مِنَ الْأَنْصَارِ: أَنَّهُ أَتَى رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، قَدْ أَنْكَرْتُ بَصَرِي، وَأَنَا أُصَلِّي لِقَوْمِي، فَإِذَا كَانَتِ الْأَمْطَارُ،

(۱) مناوی، فیض القدیر، ۵: ۴۵۳

(۲) اِسماعیل حقی، تفسیر روح البیان، ۷: ۱۸۴

سَالَ الْوَادِي الَّذِي بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ، لَمْ أَسْتَطِعْ أَنْ آتِي مَسْجِدَهُمْ فَأُصَلِّي بِهِمْ، وَوَدِدْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ، أَنَّکَ تَأْتِيْنِي فَتُصَلِّيَ فِي بَيْتِي، فَأَتَّخِذَهُ مُصَلًّى، قَالَ: فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: (سَأَفْعَلُ إِنْ شَاءَ اللهُ). قَالَ عِتْبَانُ: فَغَدَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَأَبُوبَکْرٍ حِيْنَ ارْتَفَعَ النَّهَارُ، فَاسْتَأْذَنَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَأَذِنْتُ لَهُ، فَلَمْ يَجْلِسْ حَتَّى دَخَلَ الْبَيْتَ، ثُمَّ قَالَ: (أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِکَ). قَالَ: فَأَشَرْتُ لَهُ إِلَى نَاحِيَةٍ مِنَ الْبَيْتِ، فَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَکَبَّرَ، فَقُمْنَا فَصَفَفْنَا، فَصَلّٰى رَکْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ۔ (۱)

’’حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ کے ان انصاری صحابہ میں سے تھے جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ وہ ایک دفعہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ میری نظر کمزور ہوگئی ہے اور میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں؟ جب بارش ہوتی ہے تو وہ نالہ جو میرے اور ان کے درمیان ہے، بہنے لگتا ہے جس کے باعث میں ان کی مسجد تک نہیں جاسکتا کہ انہیں نماز پڑھاؤں۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے گھر تشریف لے چلیں اور وہاں نماز پڑھیں تاکہ میں اسے نماز پڑھنے کی جگہ بنالوں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِن شاءَ اللہ میں کسی دن آؤں گا، حضرت عتبان رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ دوسرے دن صبح حضور نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دن چڑھنے کے بعد میرے گھر تشریف لائے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے حسبِ معمول اجازت طلب فرمائی میں نے حضور ﷺ کو خوش آمدید کہا۔ گھر میں تشریف لانے کے بعد حضور نبی

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الصلاۃ، باب: المساجد فی البیوت، ۱: ۱۶۴، رقم: ۴۱۵

اکرم ﷺ بیٹھے نہیں، فرمایا: تم کس جگہ پسند کرتے ہو کہ میں تمہارے گھر میں نماز پڑھوں۔ میں نے گھر کے ایک گوشے کی طرف اشارہ کیا تو آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور تکبیر کہی، ہم بھی کھڑے ہو گئے اور صف بنائی، حضور ﷺ نے دو رکعت (نفل) نماز پڑھی پھر سلام پھیرا۔''

شارحِ ''صحیح بخاری'' امام ابنِ حجر عسقلانی نے اس حدیث کو آثارِ صالحین سے تبرک کے باب میں حجت قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وسؤاله النّبيّ ﷺ أن يصلّي في بيته ليتّخذه مصلّى وإجابة النبيّ ﷺ إلى ذلك فهو حجّة في التّبرّک بآثار الصّالحين۔(۱)

''حضرت عتبان کا حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کرنا کہ ان کے گھر تشریف لاکر نماز ادا کریں تاکہ وہ اس جگہ کو اپنے لئے جائے نماز بنالیں اور حضور ﷺ کا ان کی التجا قبول کرنا آثارِ صالحین سے تبرک کے ثبوت کے لئے بیّن دلیل ہے۔''

ابنِ عبدالبر ''الموطأ'' کی شرح ''التمهيد (۶: ۲۲۸)'' میں لکھتے ہیں:

وفيه التبرّک بالمواضع التي صلّى فيها رسول الله ﷺ ووطئها وقام عليها۔

''اس حدیثِ مبارکہ میں ان مقامات سے حصولِ برکت کا ثبوت ہے جہاں جہاں حضور نبی اکرم ﷺ نے نماز ادا فرمائی، جہاں آپ ﷺ نے مبارک قدم رکھے اور جس جگہ آپ ﷺ تشریف فرما ہوئے۔''

(۱) عسقلاني، فتح الباری شرح صحيح البخاری، ۱: ۵۶۹

۳۔ وضو کے بچے ہوئے پانی سے حصولِ برکت

۱۔ حضرت ابوجُحَیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِي قُبَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ أَدَمٍ، وَرَأَيْتُ بِـلَالاً أَخَذَ وَضُوْءَ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، وَرَأَيْتُ النَّاسَ يَبْتَدِرُوْنَ ذَاکَ الْوَضُوْءَ، فَمَنْ أَصَابَ مِنْهُ شَيْئًا تَمَسَّحَ بِهِ، وَمَنْ لَمْ يُصِبْ مِنْهُ شَيْئًا أَخَذَ مِنْ بَلَلِ يَدِ صَاحِبِهِ ..... الحديث۔ (۱)

’’میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چمڑے کے ایک سرخ خیمے میں دیکھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استعمال شدہ پانی لیتے دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استعمال شدہ پانی کے حصول کے لئے کوشش کر رہے تھے جسے کچھ مل گیا اُس نے اپنے اُوپر مل لیا اور جسے اس میں سے ذرا بھی نہ ملا اُس نے اپنے ساتھی کے ہاتھ سے تری حاصل کی۔‘‘

مذکورہ حدیث کے تحت شارحِ ’’صحیح بخاری‘‘ حافظ ابنِ حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

وفی الحديث من الفوائد التماس البرکة مما لامسه الصالحون۔ (۲)

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الصلاة فی الثیاب، باب: الصلاة فی الثَّوبِ الأَحْمَرِ، ۱: ۱۴۷، رقم: ۳۶۹

اس حدیث کو امام بخاری نے ’’الصحیح‘‘ کی کتاب المناقب (رقم: ۳۳۷۳) میں بھی بیان کیا ہے۔

(۲) عسقلانی، فتح الباری، ۱: ۵۷۴

’’اس حدیثِ مبارکہ میں کئی فوائد ہیں جن میں سے ایک حصولِ برکت کے لئے صالحین کے مس شدہ چیز کو ملنا ہے۔‘‘

۲۔ عروہ نے حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے :

وَ إِذَا تَوَضَّأَ النَّبِيُّ ﷺ کَادُوا يَقْتَتِلُوْنَ عَلَى وَضُوْئِهِ۔ (۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ جب وضو فرماتے تو ایسا لگتا تھا کہ لوگ آپ ﷺ کے وضو کے پانی کے حصول کے لئے آپس میں لڑ مریں گے۔‘‘

۳۔ حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ بِمَکَّةَ وَ هُوَ بِالْأَبْطَحِ فِيْ قُبَّةٍ لَهُ حَمْرَآءَ مِنْ آدَمٍ قَالَ فَخَرَجَ بِلَالٌ بِوَضُوْئِهِ فَمِنْ نَّآئِلٍ وَ نَاضِحٍ۔ (۲)

’’میں مکہ مکرمہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا، آپ ﷺ اس وقت مقام ابطح میں سرخ چمڑے کے ایک خیمہ میں قیام فرما تھے، اس موقع پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ کے وضو کا بچا ہوا پانی لے کر باہر نکلے پس لوگوں نے اس پانی کو مل لیا کسی کو پانی مل گیا اور کسی نے اس پانی کو

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الوضوء، باب: اسْتِعْمالِ فضلِ وَضُوءِ النَّاسِ، ۱: ۸۱، رقم: ۱۸۶

۲۔ ابن حبان الصحیح، ۱۱: ۲۲۱، رقم: ۴۸۷۲

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۲۹

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصلاۃ، باب: سُتْرةِ الْمُصَلی، ۱: ۳۶۰، رقم: ۵۰۲

۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۶: ۱۵۳، رقم: ۲۳۹۴

۳۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۳۹۵، رقم: ۱۷۱۸

چھڑک لیا۔‘‘

صحیح مسلم کے شارح امام نوویؒ اس حدیثِ مبارکہ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

ففيه التبرک بآثار الصالحين واستعمال فضل طهورهم وطعامهم وشرابهم ولباسهم۔(۱)

’’پس اس حدیثِ مبارکہ میں آثارِ صالحین، ان کے وضو سے بچے ہوئے پانی، ان کے بچے ہوئے کھانے اور استعمال شدہ ملبوسات سے تبرک کا ثبوت ہے۔‘‘

۴۔ دستِ اَقدس کی برکتیں

حضور نبی اکرم ﷺ کے مبارک ہاتھ ہزاروں باطنی اور روحانی فیوض و برکات کے حامل تھے۔ جس کسی کو آپ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھ سے مَس کیا اُس کی قسمت ہی بدل گئی۔ وہ ہاتھ کسی بیمار کو لگا تو نہ صرف یہ کہ وہ تندرست و شفایاب ہوگیا بلکہ اس خیر وبرکت کی تاثیر تادمِ آخر وہ اپنے قلب و روح میں محسوس کرتا رہا۔ کسی کے سینے کو یہ ہاتھ لگا تو اُسے علم وحکمت کے خزانوں سے مالا مال کردیا۔ بکری کے خشک تھنوں میں اُس دستِ اقدس کی برکت اُتری تو وہ عمر بھر دودھ دیتی رہی۔ توشہ دان میں موجود گنتی کی چند کھجوروں کو اُن ہاتھوں نے مَس کیا تو اُس سے سالوں تک منوں کے حساب سے کھانے والوں نے کھجوریں کھائیں مگر پھر بھی اُس ذخیرہ میں کمی نہ آئی۔ بقول اعلیٰ حضرتؒ:

ہاتھ جس سمت اُٹھا غنی کر دیا
موجِ بحرِ سخاوت پہ لاکھوں سلام

اُن ہاتھوں کی فیض رسانی سے تہی دست و بے نوا، دوجہاں کی نعمتوں سے مالا مال ہوگئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی زندگیوں میں بارہا ان مبارک ہاتھوں کی خیر و برکت کا

(۱) نووی، شرح صحیح مسلم، ۴: ۲۱۹

مشاہدہ کیا۔ وہ خود بھی اُن سے فیض حاصل کرتے رہے اور دوسروں کو بھی فیض یاب کرتے رہے۔ اس حوالے سے متعدد روایات مروی ہیں ذیل میں چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے:

دستِ مصطفیٰ ﷺ سے برکت کا حصول - اہلِ مدینہ کا معمول

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا صَلَّى الْغَدَاةَ جَاءَ خَدَمُ الْمَدِيْنَةِ بِآنِيَتِهِمْ فِيْهَا الْمَاءُ، فَمَا يُؤْتَى بِإِنَاءٍ إِلَّا غَمَسَ يَدَهُ فِيْهَا، فَرُبَّمَا جَاءُوْهُ فِي الْغَدَاةِ الْبَارِدَةِ فَيَغْمِسُ يَدَهُ فِيْهَا۔ (۱)

’’رسول اللہ ﷺ جب صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو خدّامِ مدینہ پانی سے بھرے ہوئے اپنے اپنے برتن لے آتے۔ آپ ﷺ ہر برتن میں اپنا ہاتھ مبارک ڈبو دیتے۔ بسا اوقات سرد موسم کی صبح بھی ایسا ہی ہوتا اور آپ ﷺ اپنا ہاتھ ٹھنڈے پانی والے برتنوں میں بھی ڈبو دیتے۔‘‘

امام مسلم اس حدیث کو جس باب کے تحت لائے ہیں وہ ایمان افروز ہے جس سے ان کے اہلِ سنت و جماعت کے عقیدۂ راسخہ کا پتہ چلتا ہے:

باب قُربِ النَّبِيِّ ﷺ مِنَ النَّاسِ وَ تَبَرُّكِهِم بِهِ۔ (۲)

’’لوگوں کا حضور نبی اکرم ﷺ سے قرب اور برکت حاصل کرنا۔‘‘

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفضائل، باب: قرب النبي ﷺ من الناس وتبركهم به، ۴: ۱۸۱۲، رقم: ۲۳۲۴

۲۔ عبد بن حميد، المسند، ۱: ۳۸۰، رقم: ۱۲۷۴

۳۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۲: ۱۵۴، رقم: ۱۴۲۹

(۲) مسلم، الصحيح، ۴: ۱۸۱۲، رقم: ۲۳۲۴

اس حدیث کے تحت امام نوویؒ لکھتے ہیں:

وفيه التّبرّک بآثار الصّالحين وبيان ما کانت الصّحابة عليه من التّبرّک بآثاره ﷺ وتبرّکهم بإدخال يده الکريمة في الآنية۔ (۱)

’’اس حدیثِ مبارکہ میں آثارِ صالحین سے تبرک کا بیان ہے اور اس چیز کا بیان کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کس طرح حضور نبی اکرم ﷺ کے آثار مبارکہ سے برکت حاصل کرتے تھے۔ مزید آپ ﷺ کے دستِ اقدس کو برتن میں ڈبو کر اس سے تبرک کا بیان ہے۔‘‘

۵۔ قدمین شریفین کی برکات

جس پتھر پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام قدم مبارک رکھ کر کعبہ تعمیر کرتے رہے وہ آج بھی صحنِ کعبہ میں مقامِ ابراہیم کے اندر محفوظ ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے لگنے سے وہ پتھر نرم ہوگیا اور اُن قدموں کے نقوش اُس پر ثبت ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے مبارک قدموں کو بھی یہ معجزہ عطا فرمایا کہ اُن کی وجہ سے پتھر نرم ہو جاتے۔ آپ ﷺ کے قدومِ مبارک کے نشان بعض پتھروں پر آج تک محفوظ ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے قدمین شریفین بڑے ہی بابرکت اور منبعِ فیوضات و برکات تھے۔ آپ ﷺ کے قدم مبارک اگر کسی سست رفتار کمزور جانور کو لگ جاتے تو وہ تیز رفتار ہو جاتا۔ غزوۂ ذات الرقاع کے موقع پر حضور ﷺ کے مبارک قدموں کی برکت سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا اُونٹ تیز رفتار ہو گیا تھا۔ حدیثِ مبارکہ میں ہے:

فَضَرَبَهُ بِرِجْلِهِ وَدَعَا لَهُ، فَسَارَ سَيْرًا لَمْ يَسِرْ مِثْلَهُ۔ (۲)

---

(۱) نووی، شرح صحیح مسلم، ۱۵: ۸۲

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲۹۹ ←

’’پس آپ ﷺ نے اپنے پائے مبارک سے اُسے ٹھوکر لگائی اور ساتھ ہی دُعا فرمائی، سو وہ اتنا تیز رفتار ہوا کہ پہلے کبھی نہ تھا۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ کے فیوض و برکات بالخصوص آپ ﷺ کی عطا سے جو فائدہ ملتا اسے خاص الفاظ برکت کے ساتھ منسوب کرتے ہوئے کبھی بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذہنوں میں یہ بات نہ آتی تھی کہ برکت عطا کرنا تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ معاذ اللہ کہیں خلافِ توحید نہیں بلکہ اپنے قول و عمل سے اس چیز کا برملا اظہار ہوتا تھا کہ آپ ﷺ کی برکت سے فلاں فائدہ ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے جب حضور ﷺ نے دوبارہ اپنے اس صحابی سے اونٹ کے بارے میں دریافت کیا کہ اب تیرے اُونٹ کا کیا حال ہے تو اُنہوں نے عرض کیا:

بِخَيْرٍ قَدْ أَصَابَتْهُ بَرَكَتُكَ۔ (۱)

’’بالکل ٹھیک ہے، اُسے آپ صلی اللہ علیک وسلم کی برکت حاصل ہوگئی ہے۔‘‘

..... ۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساقاة، باب: بيع البعير واستثناء ركوبه، ۳: ۱۲۲۱، رقم: ۷۱۵

۳۔ نسائي، السنن، كتاب البيوع، باب: البيع يكون فيه الشرطُ فَيَصِحُّ البيعُ والشرطُ، ۷: ۲۹۷، رقم: ۴۶۳۷

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الجهاد والسير، باب: استئذان الرجل الإمام، ۳: ۱۰۸۳، رقم: ۲۸۰۵

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساقاة، باب: بيع البعير واستثناء ركوبه، ۳: ۱۲۲۱، رقم: ۷۱۵

۳۔ أبو عوانه، المسند، ۳: ۲۴۹، رقم: ۴۸۴۳

۶۔ موئے مبارک سے حصولِ برکت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکات کو حاصل کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں جانے دیتے تھے۔ جس چیز کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت ہو جاتی اسے وہ دنیا و مافیہا سے عزیز تر جانتے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے عمل سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اندر یہ شعور بیدار کر دیا تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار و تبرکات کو محفوظ رکھتے اور ان کی انتہائی تعظیم و تکریم کرتے اور ان سے برکت حاصل کرتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک، وضو کے مبارک پانی، لعابِ دہن، پسینہ مبارک سے اور جن جن چیزوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مس کیا ہوتا ان سے برکت حاصل کرتے۔

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَتَى مِنًى فَأَتَى الْجَمْرَةَ فَرَمَاهَا ثُمَّ أَتَى مَنْزِلَهُ بِمِنًى وَ نَحَرَ ثُمَّ قَالَ لِلْحَلَّاقِ خُذْ. وَ أَشَارَ إِلَى جَانِبِهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ الْأَيْسَرِ ثُمَّ جَعَلَ يُعْطِيْهِ النَّاسَ۔ (۱)

’’حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب منیٰ تشریف لائے تو پہلے جمرہ عقبہ پر گئے اور وہاں کنکریاں ماریں، پھر منیٰ میں اپنی قیام گاہ پر تشریف لے گئے وہاں قربانی کی اور حجام سے سر مونڈنے کو کہا اور اسی کو دائیں جانب کی طرف اشارہ کیا پھر بائیں جانب اشارہ کیا پھر اپنے مبارک بال لوگوں کو عطا فرمائے۔‘‘

علامہ شوکانی اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب: بیان أن السنة یوم النحر، ۲: ۹۴۷، رقم: ۱۳۰۵

قوله ثم جعل يعطيه للناس فيه مشروعية التّبرّک بشعر أهل الفضل ونحوه۔[1]

’’اس روایت میں صاحبِ فضل شخصیات کے بال اور اس طرح ان کی دیگر اشیاء سے تبرک کا ثبوت ہے۔‘‘

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

لَمَّا رَمَى رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الْجَمْرَةَ وَنَحَرَ نُسُكَهُ وَحَلَقَ، نَاوَلَ الْحَالِقَ شِقَّهُ الْأَيْمَنَ فَحَلَقَهُ، ثُمَّ دَعَا أَبَا طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيَّ فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ، ثُمَّ نَاوَلَهُ الشِّقَّ الْأَيْسَرَ، فَقَالَ: احْلِقْ. فَحَلَقَهُ، فَأَعْطَاهُ أَبَا طَلْحَةَ، فَقَالَ: اقْسِمْهُ بَيْنَ النَّاسِ۔[2]

’’جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقامِ جمرہ پر کنکریاں ماریں اور اپنی قربانی کر لی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرِ انور کا دایاں حصہ حجام کے سامنے کر دیا سو اس نے بال مبارک مونڈ دیئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کو وہ موئے مبارک عطا کئے، اِس کے بعد حجام کے سامنے بائیں جانب کی اور فرمایا:

---

(۱) ۱۔ شوکانی، نیل الأوطار، ۵، ۱۲۸
۲۔ شمس الحق عظیم آبادی، عون المعبود، ۵: ۳۱۷

(۲) ۱۔ مسلم الصحیح، کتاب الحج، باب: بیان أن السنة یوم النحر أن یرمی ثم ینحر ثم یحلق، ۲: ۹۴۸، رقم: ۱۳۰۵
۲۔ ترمذی، السنن، کتاب الحج عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب: ما جاء بأي جانب الرأس یبدأ في الحلق، ۳: ۲۵۵، رقم: ۹۱۲
۳۔ أبوداؤد، السنن، کتاب المناسك، باب: الحلق والتقصیر، ۲: ۲۰۳، رقم: ۱۹۸۱

یہ بھی مونڈو، اس نے ادھر کے بال مبارک بھی مونڈ دیئے، آپ ﷺ نے وہ بھی حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو عطا کئے اور فرمایا: یہ بال لوگوں میں تقسیم کر دو۔‘‘

امام ابنِ حجر عسقلانی نے اسی حدیث کو فتح الباری شرح صحیح البخاری میں بحوالہ مسلم ذکر کر کے لکھا ہے: وفیه التبرک بشعره ﷺ (اس حدیثِ مبارکہ میں حضور ﷺ کے موئے مبارک سے تبرک کا ثبوت ہے)۔[1]

۷۔ مبارک لعابِ دہن سے حصولِ برکت

مستند احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ آقائے دوجہاں ﷺ بیماروں کو دم فرماتے وقت اپنا مبارک لعابِ دہن اپنی انگشتِ شہادت سے زمین پر ملتے اور اسے منجمد کر کے بیمار شخص کی تکلیف کی جگہ پر ملتے اور اللہ تعالیٰ سے اس کی شفایابی کی دعا فرماتے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب کسی انسان کو تکلیف ہوتی یا کوئی زخم ہوتا تو حضور نبی اکرم ﷺ اپنا لعابِ دہن مٹی کے ساتھ ملا کر لگاتے اور اس کی شفایابی کے لئے یہ مبارک الفاظ دہراتے:

بِسمِ اللهِ! تُرْبَةُ أَرضِنَا، بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا، يُشفَى سَقِيْمُنا بِإِذْنِ رَبِّنَا۔[2]

---

(۱) عسقلانی، فتح الباری، ۱: ۲۷۴

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الطب، باب: رقیة النبي ﷺ، ۵: ۲۱۶۸، رقم: ۵۴۱۳

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب السلام، باب: استحباب الرقیة من العین، ۴: ۱۷۲۴، رقم: ۲۱۹۴

۳۔ أبوداؤد، السنن، کتاب الطب، باب: کیف الرقی، ۴: ۱۲، رقم: ۳۸۹۵

’’اللہ کے نام سے شفا طلب کر رہا ہوں، ہماری زمین کی مٹی اور ہم میں سے بعض کا لعاب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہمارے مریض کو شفا دیتا ہے۔‘‘

حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

وانّما هذا من باب التّبرّک بأسماء الله تعالی وآثار رسوله ﷺ۔(۱)

’’بیشک اس حدیث کا تعلق ان احادیثِ مبارکہ سے ہے جس میں اسماءِ الٰہی اور حضور نبی اکرم ﷺ کے آثار سے تبرک ثابت ہے۔‘‘

امام ابنِ حجر عسقلانی نے اس حدیث کی تشریح میں یہ بھی لکھا ہے:

ثم أن الرقي والعزائم لها آثار عجيبة تتقاعد العقول۔(۲)

’’اور بیشک دم اور اسماءِ مبارکہ کے اثرات اس قدر حیران کن ہیں جن کی حقیقت سے عقل ماؤف ہو جاتی ہے۔‘‘

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے بچوں کو حضور ﷺ سے گھٹّی دلواتے

مستند ترین کتبِ احادیث میں یہ مثالیں بھی بکثرت ہیں کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے گھٹّی دلوانے اور اس کا نام رکھوانے کے لیے بارگاہِ رحمۃ للعالمین ﷺ میں حاضر ہوتے۔ آپ ﷺ اس نومولود کے منہ میں اپنا مبارک لعابِ دہن ڈالتے اور یوں اس بچے کے پیٹ میں سب سے پہلے جو چیز پہنچتی وہ تاجدارِ کائنات حضور نبی اکرم ﷺ کا مبارک لعابِ دہن ہوتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

ذَهَبْتُ بِعَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيِّ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ حِيْنَ وُلِدَ، وَرَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِي عَبَاءَةٍ يَهْنَأُ بَعِيْرًا لَهُ فَقَالَ: هَلْ مَعَکَ

---

(۱) عسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، ۱۰: ۲۰۸

(۲) عسقلانی، فتح الباری، ۱۰: ۲۰۸

تَمْرٌ؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَنَاوَلْتُهُ تَمَرَاتٍ، فَأَلْقَاهُنَّ فِي فِيْهِ فَلَاكَهُنَّ، ثُمَّ فَغَرَ فَا الصَّبِيِّ فَمَجَّهُ فِي فِيْهِ، فَجَعَلَ الصَّبِيُّ يَتَلَمَّظُهُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: حُبُّ الْأَنْصَارِ التَّمْرَ. وَسَمَّاهُ عَبْدَ اللهِ۔(۱)

''جب حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی تو میں ان کو لے کر حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ ایک چادر اوڑھے اپنے اونٹ کو روغن مل رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس کھجوریں ہیں؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! پھر میں نے کچھ کھجوریں آپ ﷺ کو پیش کیں، آپ ﷺ نے انہیں اپنے منہ میں ڈال کر چبایا۔ پھر آپ ﷺ نے بچے کا منہ کھول کر اسے بچے کے منہ میں ڈال دیا تو بچہ اسے چوسنے لگا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انصار کو کھجوروں سے محبت ہے۔ اور آپ ﷺ اس بچے کا نام عبداللہ رکھا۔''

مذکورہ احادیث کے لیے امام مسلم نے عنوان باندھا ہے: باب اسْتِحْبَابِ تَحْنِيْكِ الْمَوْلُوْدِ عِنْدَ وِلَادَتِهِ وَحَمْلِهِ إِلَى صَالِحٍ يُحَنِّكُهُ یعنی ''بچے کو پیدائش کے وقت گھٹی دینے اور کسی صالح شخص کے پاس لے جا کر گھٹی دلوانے کا بیان۔'' باب کے اس عنوان سے امام مسلم کا صحیح عقیدہ اور نظریہ معلوم ہو گیا کہ وہ صالحین سے تبرک کے قائل

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأداب، باب: استحباب تحنيك للولود عند ولادته وحمله إلى صالح يحنّكه، ۳: ۱۶۸۹، رقم: ۲۱۴۴

۲۔ أبوداؤد، السنن، كتاب الأدب، باب: في تفسير الأسماء، ۴: ۲۸۸، رقم: ۴۹۵۱

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۷۵، ۲۱۲، ۲۸۷، رقم: ۱۲۸۱۲، ۱۳۲۳۳، ۱۴۰۹۷

ہیں کیونکہ اس عنوان کے تحت اصلاً تو وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی احادیث لا رہے ہیں۔ مگر جب عنوان قائم کیا تو عمومی رکھا اور صحیح عقیدے کی وضاحت بھی کر دی شارحینِ حدیث نے بھی اس حدیث سے آثارِ صالحین سے تبرک کا جواز ثابت کیا ہے۔

شارح مسلم امام نوویؒ اس حدیثِ مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں:

وفي هذا الحديث فوائد، منها: تحنيك المولود عند ولادته وهو سنة بالإجماع كما سبق. ومنها: أن يحنّكه صالح من رجل أو امرأة، ومنها التبرّك بآثار الصالحين وريقهم وكل شيء منهم۔(۱)

’’اس حدیث سے کئی فوائد اخذ ہوتے ہیں جس میں سے ایک یہ ہے کہ نومولود بچے کو ولادت کے بعد گھٹی دی جائے اور یہ مسئلہ اجماع سے ثابت ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ کسی صالح مرد یا خاتون سے اس نومولود کو گھٹی دلوانی چاہیے۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ آثارِ صالحین، ان کے لعاب اور ان سے منسوب ہر چیز سے تبرک حاصل کرنا ثابت اور جائز ہے۔‘‘

۸۔ پسینہ مبارک سے حصولِ برکت

حضور نبی اکرم ﷺ کے جسدِ اطہر سے ہمیشہ پاکیزہ خوشبو آتی تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس خوشبو کو مشک و عنبر اور پھول کی خوشبو سے بڑھ کر پایا۔ وہ اپنے لئے، اپنے بچوں کے لئے اور شادی بیاہ کے موقع پر اپنی بیٹیوں کے لئے آپ ﷺ کے پسینہ مبارک کو حاصل کرتے، اس سے برکت کی امید رکھتے اور بڑے اہتمام کے ساتھ اس متاعِ عزیز کو سنبھال کر رکھتے۔

(۱) نووی، شرح صحیح مسلم، ۱۴: ۱۲۴

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ حضرت اُم سُلیم رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور وہیں آرام فرمایا۔ جب وہ باہر سے آئیں تو دیکھا کہ آپ ﷺ کو پسینہ مبارک آیا ہوا ہے جو چمڑے کے بستر پر جمع ہو گیا ہے۔ حضرت اُمّ سُلیم پسینہ مبارک پونچھ پونچھ کر ایک بوتل میں جمع کرنے لگیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فَفَزِعَ النَّبِيُّ ﷺ، فَقَالَ: مَا تَصْنَعِينَ يَا أُمَّ سُلَيْمٍ؟ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! نَرْجُو بَرَكَتَهُ لِصِبْيَانِنَا، قَالَ: أَصَبْتِ۔ (۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ اچانک اٹھ بیٹھے اور فرمایا: اے اُمّ سُلیم! کیا کر رہی ہو؟ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ہم اس سے اپنے بچوں کے لئے برکت حاصل کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو نے ٹھیک کیا ہے۔''

امام مسلم نے ان روایات کو جمع کر کے باب کا عنوان ہی باب طِيبِ عَرَقِ النَّبِيِّ ﷺ وَالتَّبَرُّكِ بِهِ (حضور نبی اکرم ﷺ کے مبارک پسینہ کی خوشبو اور اس سے تبرک) قائم کیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ تبرک کے باب میں ان کا عقیدہ وہی ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینِ عظام کا تھا۔

۹۔ مبارک ملبوساتِ رسول ﷺ سے حصولِ برکت

۱۔ ''صحیح بخاری'' اور ''صحیح مسلم'' میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جس وقت حضور نبی اکرم ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا وصال فرما گئیں تو

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفضائل، باب: طيب عرق النبي ﷺ، والتبرك به، ۴: ۱۸۱۵، رقم: ۲۳۳۱

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲۲۱، رقم: (۱۳۳۴، ۱۳۳۹)

آپ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا:

اغْسِلْنَهَا ثَـلَاثًا اَوْ خَمْسًا اَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِکَ إِنْ رَأَيْتُنَّ ذٰلِکَ بِمَآءٍ وَ سِدْرٍ وَاجْعَلْنَ فِي الْاٰخِرَةِ كَافُوْرًا اَوْ شَيْئًا مِنْ كَافُوْرٍ فَإِذَا فَرَغْتُنَّ فَاٰذِنَّنِي فَلَمَّا فَرَغْنَا اٰذَنَّاهُ فَأَعْطَانَا حِقْوَهُ، فَقَالَ: أَشْعِرْنَهَا إِيَّاهُ تَعْنِي إِزَارَهُ۔(۱)

’’اس کو تین یا پانچ دفعہ یا اگر مناسب سمجھو تو اس سے زیادہ بار بیری کے پتوں اور پانی سے غسل دو اور آخر میں کچھ کافور رکھ دینا۔ جب تم فارغ ہو جاؤ تو مجھے خبر دینا۔ (وہ فرماتی ہیں) جب ہم فارغ ہوئے تو آپ ﷺ کو اطلاع دی۔ پس آپ ﷺ نے اپنی مبارک چادر عنایت فرمائی اور فرمایا: اس کو کفن کے نیچے پہنانا۔‘‘

اس حدیثِ مبارکہ کو بھی ائمۂ حدیث نے تبرک بالصالحین کی بنیاد قرار دیا ہے۔

(۱) امام ابنِ حجر عسقلانی اس حدیث کو تبرکِ صالحین کی بنیاد قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهو أصل في التّبرّک بآثار الصّالحين۔(۲)

’’یہ حدیث آثارِ صالحین سے تبرک کے ثبوت میں اصل ہے۔‘‘

(۲) شارحِ ’’صحیح مسلم‘‘ امام نووی نے بھی اس حدیث سے تبرک کا استنباط کیا ہے،

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب: غسل المیت و وضوءہ بالماء والسدر، ۱: ۴۲۲، رقم: ۱۱۹۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجنائز، باب: نہی النساء عن اتباع الجنائز، ۲: ۶۴۶، رقم: ۹۳۹

(۲) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۳: ۲۹، ۱۳۰

وہ فرماتے ہیں:

ففيه التّبرّک بآثار الصّالحين ولباسهم۔[1]

''اس حدیثِ مبارکہ میں آثارِ صالحین اور ان کے استعمال شدہ کپڑوں سے تبرک کا ثبوت ہے۔''

(۳) علامہ شوکانی نے بھی ابنِ حجر عسقلانی کے اِستنباط پر اعتماد کرتے ہوئے انہی کے الفاظ - کہ وهو أصل في التّبرّک بآثار الصّالحين[2] - کو نقل کیا ہے۔

۲۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ایک خاتون نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ایک چادر پیش کی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ زیب تن فرمائی تو ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کتنی حسین چادر ہے، مجھے عنایت فرما دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں عنایت فرمائی۔ حاضرین میں سے بعض نے اس کو اچھا نہیں سمجھا اور چادر مانگنے والے کو ملامت کی کہ جب تمہیں معلوم تھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سائل کو واپس نہیں لوٹاتے تو تم نے یہ چادر کیوں مانگی؟ اس شخص نے جواب دیا:

إِنِّي وَاللهِ مَاسَأَلْتُهُ لِأَلْبَسَهَا، إِنَّمَا سَأَلْتُهُ لِتَكُوْنَ كَفَنِي. قَالَ سَهْلٌ: فَكَانَتْ كَفَنَهُ۔[3]

---

(۱) نووی، شرح صحیح مسلم، ۷: ۳

(۲) شوکانی، نیل الأوطار، ۴: ۶۴

(۳) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب: من استعد الکفن فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلم ینکر علیه، ۱: ۴۲۹، رقم: ۱۲۱۸

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب اللباس، باب: لباس رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۲: ۱۱۷۷، رقم: ۳۵۵۵ ←

’’خدا کی قسم میں نے یہ چادر اس لئے نہیں مانگی کہ اسے پہنوں۔ میں نے (تو اس کی برکت کی امید سے) اس لئے مانگی ہے کہ یہ مبارک چادر میرا کفن ہو۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ یہ مبارک چادر بعد میں ان کا کفن بنی۔‘‘

اس خوش بخت صحابی رضی اللہ عنہ کو ان کی خواہش کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک چادر میں کفن دے کر دفنایا گیا۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے اس حدیث کے فوائد میں یہ بھی لکھا ہے:

فيه التّبرّک بآثار الصّالحين۔(۱)

’’اس حدیثِ مبارکہ میں آثارِ صالحین سے تبرک کا ثبوت ہے۔‘‘

۳۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی فوت ہو گیا تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ - جو جانثار صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے - نے عرض کیا:

أَعْطِنِي قَمِيْصَکَ أُکَفِّنُهُ فِيْهِ وَصَلِّ عَلَيْهِ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ فَأَعْطَاهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَمِيْصَهُ۔(۲)

’’مجھے اپنی قمیص مبارک عطا فرمائیے تاکہ میں اپنے باپ کو اِس میں کفناؤں اور

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۳۳۳، رقم: ۲۲۸۷۶

اسی روایت کو امام بخاری نے ’’الصحیح‘‘ کی کتاب البیوع (رقم: ۱۹۸۷)، کتاب اللباس (رقم: ۵۴۷۳) اور کتاب الأدب (رقم: ۵۶۸۹) میں بھی بیان کیا ہے۔

(۱) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۳: ۱۴۴

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب الکفن فی القمیص، ۱: ۴۲۷، رقم: ۱۲۱۰

آپ ﷺ اُس کی نمازِ جنازہ پڑھیں اور اُس کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔ پس آپ ﷺ نے اُسے اپنی قمیص عطا فرمادی۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا عرض کرنا اور آپ ﷺ کا اپنے اس سچے صحابی کی دلجوئی کے لئے ان کے منافق باپ کو اپنی قمیص عطا فرمانا، تبرک کے ثبوت کے لئے اصل ہے، علامہ اسماعیلی نے اس روایت سے یہی استنباط کیا ہے اور امام ابنِ حجر عسقلانی نے ان پر اعتماد کرتے ہوئے شرح بخاری میں اسے نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

واستنبط منه الإسماعيلي جواز طلب آثار أهل الخير منهم للتبرک بها وإن کان السائل غنيًا۔ (۱)

’’علامہ اسماعیلی نے اس روایت سے صالحین سے ان کے آثار کو برائے تبرک طلب کرنے کا جواز اخذ کیا ہے خواہ مانگنے والا مالدار کیوں نہ ہو۔‘‘

۱۰۔ مسواک مبارک سے حصولِ برکت

کتبِ صحاح میں سے سنن أبو داؤد اور دیگر کتبِ احادیث میں مسواک دھونے کے حوالے سے روایت ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

کَانَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ يَسْتَاکُ فَيُعْطِيْنِي السِّوَاکَ لِاَغْسِلَهُ فَاَبْدَأُ بِهِ فَأَسْتَاکُ ثُمَّ أَغْسِلُهُ وَأَدْفَعُهُ إِلَيْهِ۔ (۲)

(۱) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۳: ۱۳۹

(۲) ۱۔ أبوداؤد، السنن، کتاب الطهارة، باب غسل السواك، ۱: ۱۴، رقم: ۵۲

۲۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۱: ۳۹، رقم: ۱۶۸

’’حضور نبی اکرم ﷺ مسواک کیا کرتے تھے سو آپ ﷺ مجھے مسواک دھونے کے لئے عنایت فرماتے تو میں دھونے سے پہلے اسی سے (تبرکاً) مسواک کرتی پھر اسے دھوکر آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پیش کرتی۔‘‘

اس روایت میں بھی تبرک کا واضح ثبوت ہے۔ شارحینِ حدیث نے مذکورہ روایت کی شرح میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ کی زوجۂ مطہرہ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ عمل حصولِ برکت کے لئے تھا۔

علامہ محمد شمس الحق عظیم آبادی مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فَأَبْدَأُ بِهِ: أی باستعماله فی فمي قبل الغسل ليصل برکة رسول الله ﷺ إليّ. والحديث فيه ثبوت التبرک بآثار الصالحين۔(۱)

’’فَأَبْدَأُ بِهِ کا معنی یہ ہے کہ میں دھونے سے پہلے اسے استعمال کرتی تاکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی برکت مجھے حاصل ہو۔ اس حدیث میں آثارِ صالحین سے تبرک کا ثبوت ہے۔‘‘

۱۱۔ نعلینِ اَقدس سے حصولِ برکت

اَسلاف نے حضور نبی اکرم ﷺ کے نعلین مبارک کے نقشے کی بہت سی برکات بیان کی ہیں۔ حتیٰ کہ مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنے رسالے ’’نیل الشفاء‘‘ میں نقشہ نعلِ مبارک کے برکات اور خواص تفصیل سے درج کیے ہیں وہ خود اپنی تصنیف ’نشر الطیب‘ میں لکھتے ہیں:

’’جب صرف ان الفاظ میں جو آپ کے معنٰی و مدح کی صورت و مثال ہیں اور پھر ان نقوش میں جو ان الفاظ پر دال ہیں اور اس ملبوس میں جو آپ کی نعال

(۱) عظیم آبادی، عون المعبود، ۱: ۵۲

ہیں اور پھر ان نقوش میں جو ان نعال کی تمثال ہیں (میں اس قدر برکت ہے) سو خود آپ ﷺ کی ذات مجمع الکمالات و اسماء جامع البرکات سے توسل حاصل کرنا اور اس کے وسیلے سے دعا کرنے سے کیا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

نامِ احمد ﷺ چوں چنیں یاری کند
تا کہ نورش چوں مدد گاری کند
نام احمد ﷺ چوں حصارے شد حصین
تاچہ باشد ذاتِ آں رُوح الامین علیہ السلام[1]

معلوم ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے مبارک لباس میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی تھی۔ نہ صرف دنیا میں لوگ اس کے اثر سے فیض یاب ہوتے رہے بلکہ بعد از وفات بھی اس کی برکات سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا رہا ہے اور پہنچتا رہے گا۔

۱۲۔ مبارک مشکیزہ سے حصولِ برکت

۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مبارک دہنِ مصطفیٰ ﷺ سے مس شدہ مشکیزہ کا منہ حصولِ خیر و برکت کے لئے کاٹ کر محفوظ کیا جیسا کہ حضرت عبد الرحمٰن بن ابی عمرہ اپنی دادی حضرت کبشہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ دَخَلَ عَلَيْهَا، وَ عِنْدَهَا قِرْبَةٌ مُعَلَّقَةٌ فَشَرِبَ مِنْهَا وَهُوَ قَائِمٌ، فَقَطَعَتْ فَمَ الْقِرْبَةِ تَبْتَغِي بَرَكَةَ مَوْضِعِ فِي رَسُوْلِ اللهِ ﷺ۔[2]

(۱) اشرف علی تھانوی، نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ﷺ: ۳۰۰

(۲) ۱۔ابن ماجه، السنن، کتاب الأشربة، باب: الشرب قائماً، ۲: ۱۱۳۲، رقم: ۳۴۲۳ ←

’’حضور نبی اکرم ﷺ اُن کے ہاں تشریف لائے تو وہاں ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا جس سے آپ ﷺ نے کھڑے کھڑے پانی نوش فرما لیا تو انہوں نے حضور ﷺ کے دہنِ اقدس والی جگہ سے مشکیزے کا منہ حصولِ برکت کے لیے کاٹ کر رکھ لیا۔‘‘

۲۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ تھیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنی والدہ محترمہ کا معمول بیان فرماتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلَى أُمِّ سُلَيْمٍ، وَ فِي الْبَيْتِ قِرْبَةٌ مُعَلَّقَةٌ، فَشَرِبَ مِنْ فِيهَا وَ هُوَ قَائِمٌ، قَالَ: فَقَطَعَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ فَمَ الْقِرْبَةِ فَهُوَ عِنْدَنَا۔ (۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے تو ان کے گھر میں (پانی کا) ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے اس مشکیزہ سے کھڑے کھڑے پانی نوش فرمایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ام سلیم

..... ۲۔ ترمذی، السنن، کتاب الأشربة، باب: ما جاء فی الرخصة فی ذلك، ۴: ۳۰۶، رقم: ۱۸۹۲

۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۲: ۱۳۸، رقم: ۵۳۱۸

امام ابنِ ماجہ کی روایت کی سند صحیح ہے، جب کہ امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح غریب قرار دیا ہے۔

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۱۹، رقم: ۱۲۲۰۹

۲۔ أیضاً، ۶: ۴۳۱، رقم: ۲۷۴۶۸

۳۔ ترمذی، الشمائل المحمدیة، باب: صفة شرب رسول الله ﷺ، ۱: ۱۷۷، رقم: ۲۱۵

رضی اللہ عنہا نے (تبرکاً) اس مشکیزہ کا منہ کاٹ لیا۔ پس وہ (اب بھی) ہمارے پاس موجود ہے۔‘‘

ان دونوں صحابیات نے مشکیزے کے ٹکڑوں کو اس لئے محفوظ کیا کہ انہیں محبوبِ کائنات ﷺ کے مبارک لبوں نے مس کیا تھا جس سے یہ ٹکڑے عام ٹکڑوں سے ممتاز ہو گئے تھے یعنی محض دہنِ مصطفیٰ ﷺ کی خوشبو سما جانے کے بعد یہ ہمیشہ کے لیے خیر و برکت کا باعث بن گئے۔

خلاصۂ بحث ..... اَہم علمی نکات

درجِ بالا بارہ موضوعات کے تحت کثیر احادیثِ مبارکہ سے درج ذیل اہم علمی اور اعتقادی نکات ثابت ہوئے:

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں آپ ﷺ کے آثارِ مبارک سے برکت حاصل کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول رہا ہے۔

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے آثار سے برکت حاصل کرنا، آپ ﷺ کے عہدِ مبارک میں آپ ﷺ کے سامنے ہوا جس سے آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا بلکہ برقرار رکھا لہٰذا تبرک کے مشروع ہونے پر یہ ساری احادیث دلائلِ قاطعہ ہیں۔ اگر حضور ﷺ کے آثار سے برکت حاصل کرنا جائز اور مشروع نہ ہوتا تو آپ ﷺ اس سے منع فرماتے اور اس سے روک دیتے لیکن آپ ﷺ سے ایسا کوئی بھی قول یا فعل صادر نہیں ہوا جیسا کہ اخبارِ صحیحہ اور اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے جواز ثابت ہوا ہے۔

۳۔ یہ تمام رِوایات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قوتِ ایمان اور حضور ﷺ سے ان کی شدید محبت، قربت، معیت، اطاعت اور متابعت پر بھی دلالت کرتے ہیں۔ موجودہ

دور میں بھی جس شخص کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایسا شدید حبّی اور قلبی تعلق ہوگا وہی آپ ﷺ کے آثارِ مبارکہ کی تعظیم بجا لائے گا اور ان سے فیض یاب ہوگا۔

۴۔ ان تمام احادیث کی شرح اور توضیح کرتے ہوئے جلیل القدر ائمہِ حدیث امام مسلم، امام ابنِ عبدالبر، امام نووی، حافظ ابنِ حجر عسقلانی اور علامہ شوکانی رحمھم اللہ تعالی نے اولیاء اور صالحین سے تبرک و حصولِ برکت کرنے کا جواز ثابت کیا ہے جو سلف صالحین کے تبرک پر عقیدہ صحیحہ کی غماز ہے۔

www.MinhajBooks.com

فصل سوُم

بعد اَز وصال آثارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تبرک کا ثبوت

www.MinhajBooks.com

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیوض و برکات حاصل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ جس چیز کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت ہو جاتی وہ اسے دنیا و ما فیہا سے عزیز تر جانتے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے عمل کے باعث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ شعور بیدار ہو گیا تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار و تبرکات کو محفوظ رکھتے، ان کی انتہائی تعظیم و تکریم کرتے اور ان سے برکت حاصل کرتے۔ صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کے اَدوار کے بعد نسل در نسل ہر زمانے میں اکابر ائمہ و مشائخ اور علماء و محدّثین کے علاوہ خلفاء و سلاطین بھی تبرکات و آثارِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خصوصی اہتمام کے ساتھ بڑے ادب و احترام سے محفوظ رکھتے اور اُن سے فیوض و برکات حاصل کرتے۔ خاص ایام پر بہت اہتمام کے ساتھ مسلمانوں کو ان کی زیارت کرائی جاتی، ان سے تبرک حاصل کیا جاتا، اور ان کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ ذیل میں اسی حوالے سے صحابہ و تابعین اور ائمہ کے معمولات و مشاہدات کا ذکر کیا جائے گا۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا آثارِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تبرک کا معمول

ہر صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوشش ہوتی کہ ہر اس چیز سے نسبت جوڑی جائے جس کا کسی نہ کسی طرح آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق رہا ہو۔ ائمۂ حدیث نے اس حوالے سے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا خصوصی طور پر تذکرہ کیا ہے کہ وہ کس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اداؤں کو اپناتے تھے۔ اُنہیں تو بس اتنی سی بات معلوم ہونے کی دیر ہوتی کہ یہ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک عمل ہے پھر وہ عمر بھر یہی عمل بار بار دہراتے۔ حضور نبی

اکرم ﷺ مقامِ ذو الحلیفہ میں بجریلی زمین پر اپنا اونٹ بٹھاتے اور نماز ادا کیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی تبرکاً یہی دو عمل اپنا معمول بنا لیے۔

۱۔ حضرت نافع سے ''صحیح مسلم'' میں روایت ہے:

كَانَ ابْنُ عُمَرَ رضی الله عنهما يُنِيخُ بِالْبَطْحَآءِ الَّتِي بِذِي الْحُلَيْفَةِ الَّتِي كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُنِيخُ بِهَا وَيُصَلِّي بِهَا۔ (۱)

''حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ذوالحلیفہ کی اس کنکریلی زمین پر اپنا اونٹ بٹھاتے تھے جہاں رسول اللہ ﷺ اپنا اونٹ بٹھاتے تھے اور اسی جگہ نماز پڑھتے تھے (جہاں آپ ﷺ نے نماز پڑھی تھی)۔''

امام نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قال القاضي والنزول بالبطحاء بذى الحليفة فى رجوع الحاج ليس من مناسک الحج وإنما فعله من فعله من أهل المدينة تبرّکاً بآثار النبي ﷺ ولأنها بطحاء مبارکة۔ (۲)

''قاضی نے کہا: حاجیوں کا ذو الحلیفہ پر ٹھہرنا مناسکِ حج میں سے نہیں یہ بعض اہلِ مدینہ کا عمل ہے جنہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کے آثار مبارک سے تبرک حاصل کرتے ہوئے کیا کیونکہ یہ مبارک وادی ہے۔''

۲۔ حضرت محمد بن عمران انصاری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا:

عَدَلَ إِلَيَّ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمَرَ وَأَنَا نَازِلٌ تَحْتَ سَرْحَةٍ بِطَرِيْقِ مَكَّةَ فَقَالَ:

(۱) مسلم، الصحيح، کتاب الحج، باب: استحباب نزول ببطحاء ذي الحليفة والصلاة بها .....، ۲: ۹۸۱، رقم: ۱۳۴۷

(۲) نووی، شرح صحيح مسلم، ۹: ۱۱۵

مَا أَنْزَلَکَ تَحْتَ هَذِهِ الشَّجَرَةِ فَقُلْتُ أَنْزَلَنِي ظِلُّهَا قَالَ عَبْدُاللهِ: فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إِذَا کُنْتَ بَيْنَ الْأَخْشَبَيْنِ مِنْ مِنًي وَنَفَخَ بِيَدِهِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ فَإِنَّ هُنَاکَ وَادِيًا يُقَالُ لَه السُّرَّبَةُ وَفِي حَدِيْثِ الْحَارِثِ يُقَالُ لَهُ السُّرَرُ، بِهِ سَرْحَةٌ سُرَّ تَحْتَهَا سَبْعُوْنَ نَبِيًّا۔(۱)

’’میں مکۃ المکرّمہ کے راستے میں ایک بڑے درخت کے نیچے ٹھہرا ہوا تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا: آپ اس درخت کے نیچے کیوں ٹھہرے ہوئے ہیں؟ میں نے عرض کیا: اس کے سایہ کی وجہ سے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب آپ منیٰ کے ان دو پہاڑوں کے درمیان ہوں اور آپ ﷺ نے مشرق کی طرف اشارہ فرمایا، وہاں دو پہاڑوں کے درمیان ایک وادی ہے جس کو سُرَّبَہ یا سُرَرُ کہتے ہیں وہاں ایک درخت ہے جس کے نیچے ستر انبیاء علیہم السلام کی ناف کاٹی گئی (یعنی وہاں ان کی ولادت باسعادت ہوئی)۔‘‘

(۱) امام ابنِ عبدالبر نے ’’الموطا‘‘ کی شرح ’’التمهيد (۱۳: ۶۷)‘‘ میں مذکورہ حدیث کے تحت لکھا ہے:

وفی هذا الحديث دليل علی التّبرّک بمواضع الأنبياء والصّالحين ومقاماتهم ومساکنهم۔

’’اس حدیث میں انبیاء علیہم السلام اور صالحین کے رہنے والی جگہوں، مقامات اور

(۱) ۱۔ نسائی، السنن، کتاب مناسب الحج، باب: ما ذکر فی منی، ۵: ۲۴۸، رقم: ۲۹۹۵

۲۔ مالك، الموطأ، ۱: ۴۲۳، رقم: ۹۴۹

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۳۸، رقم: ۶۲۳۲

ان کی رہائش گاہوں سے تبرک کا ثبوت ہے۔‘‘

(۲) امام محمد بن عبدالباقی بن یوسف زرقانی (م ۱۱۲۲ھ) نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

وفيه التّبرّک بمواضع النبيّين۔[۱]

’’پس اس حدیث میں انبیاء علیہم السلام کے قیام گاہوں سے تبرک کا ثبوت بھی ہے۔‘‘

(۳) امام سیوطی نے ’’سنن نسائی‘‘ کی شرح میں اس حدیث کے تحت لکھا ہے:

يعني أنهم ولدوا تحتها فهو يصف بركتها۔[۲]

’’اس سے مراد یہ ہے کہ اس درخت کے نیچے انبیاء علیہم السلام کی ولادتِ مبارکہ ہوئی پس انہوں نے اس درخت کی برکت کو بیان کیا۔‘‘

۳۔ حضرت موسیٰ بن عقبہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ سَالِمَ بْنَ عَبْدِاللهِ يَتَحَرَّى أَمَاكِنَ مِنَ الطَّرِيْقِ فَيُصَلِّي فِيْهَا وَيُحَدِّثُ أَنَّ أَبَاهُ كَانَ يُصَلِّي فِيْهَا وَأَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي فِي تِلْکَ الْأَمْكِنَةِ۔[۳]

’’میں نے حضرت سالم بن عبداللہ کو دیکھا کہ وہ (حرمین کے) راستے میں کچھ جگہوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر وہاں نماز پڑھا کرتے تھے اور وجہ یہ بیان کرتے تھے

(۱) زرقانی، شرح الزرقانی، ۲: ۵۳۰

(۲) سیوطی، شرح السیوطی، ۵: ۲۴۹

(۳) بخاری، الصحیح، کتاب الصلاۃ، باب: المساجد التي على طرق المدينة والمواضع التي صلى فيها النبي ﷺ، ۱: ۱۸۳، رقم: ۴۶۹

کہ ان کے والدِ گرامی (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) ان مقامات میں نمازیں پڑھا کرتے تھے اور انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو ان مقامات پر نماز پڑھتے دیکھا تھا۔‘‘

اس روایت میں اماکنِ مقدسہ سے تبرک کا ثبوت ہے۔ شارحِ ’’صحیح بخاری‘‘ حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

ومحصل ذلک أن ابن عمر کان یتبرّک بتلک الأماکن۔(۱)

’’اس روایت کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر اِن اماکنِ مقدسہ سے تبرک حاصل کرتے تھے۔‘‘

۲۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضور ﷺ کے کمبل سے تبرک

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس وہ کمبل محفوظ تھا جس میں حضور نبی اکرم ﷺ کا وصال مبارک ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حسبِ خواہش اس کی زیارت کرایا کرتی تھیں۔ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

أَخْرَجَتْ إِلَيْنَا عَائِشَةُ رضی اللہ عنہا كِسَاءً مُلَبَّدًا وَقَالَتْ: فِيْ هَذَا نُزِعَ رُوْحُ النَّبِيِّ ﷺ۔(۲)

’’حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک موٹا کمبل نکال کر ہمیں دکھایا اور فرمایا: حضور ﷺ کا وصال مبارک اس مبارک کمبل میں ہوا تھا۔‘‘

---

(۱) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱: ۵۶۹

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب الخمس، باب: ما ذکر عن درع النبی ﷺ، ۳: ۱۱۳۱، رقم: ۲۹۴۱

امام بخاریؒ کا عقیدہ

امام بخاریؒ، صحیح بخاری میں ''کتاب الخمس'' کے جس باب کے تحت مذکورہ بالا حدیث لائے ہیں۔ اس کا عنوان قائم کر کے انہوں نے لفظِ تبرک استعمال کیا ہے:

بَابُ مَا ذُكِرَ مِنْ دِرْعِ النَّبِيِّ ﷺ وَعَصَاهُ وَسَيْفِهِ وَقَدَحِهِ وَخَاتَمِهِ وَمَا اسْتَعْمَلَ الْخُلَفَاءُ بَعْدَهُ مِنْ ذَلِكَ مِمَّا لَمْ يُذْكَرْ قِسْمَتُهُ وَمِنْ شَعَرِهِ وَنَعْلِهِ وَآنِيَتِهِ مِمَّا يَتَبَرَّكُ بِهِ أَصْحَابُهُ وَغَيْرُهُمْ بَعْدَ وَفَاتِهِ ﷺ۔ (۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ کے تبرکات مثلاً زرہ، عصا، تلوار، پیالہ اور انگوٹھی اور ان میں سے جن چیزوں کو حضور ﷺ کے بعد خلفاء نے استعمال کیا جنہیں تقسیم نہیں کیا گیا، اور حضور ﷺ کے موئے مبارک اور نعل مبارک اور برتن کا بیان جن سے حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام ﷺ اور دیگر لوگ برکت حاصل کرتے تھے۔''

امام بخاری کا اس عنوان سے باب باندھنے کا مقصد یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی استعمال کردہ مقدس اشیاء سے حصولِ برکت خلفاءِ راشدین اور دیگر صحابہ کرام ﷺ کی سنت ہے۔

۳۔ موئے رسول ﷺ کی تبرکاً حفاظت کا اہتمام

صحابہ کرام ﷺ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے موئے مبارک کو تبرکاً حاصل کیا بعد میں خصوصی اہتمام کے ساتھ انہیں محفوظ کیا اور نسلاً بعد نسلٍ اُمت میں موئے مبارک محفوظ

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب فرض الخمس، باب: ۵

چلے آ رہے ہیں۔ حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَرْسَلَنِي أَهْلِي إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ، وَقَبَضَ إِسْرَائِيلُ ثَلَاثَ أَصَابِعَ مِنْ قُصَّةٍ فِيهِ شَعَرٌ مِنْ شَعَرِ النَّبِيِّ ﷺ، وَكَانَ إِذَا أَصَابَ الإِنْسَانَ عَيْنٌ أَوْ شَيْءٌ بَعَثَ إِلَيْهَا مِخْضَبَهُ فَاطَّلَعْتُ فِي الْجُلْجُلِ فَرَأَيْتُ شَعَرَاتٍ حُمْرًا۔ (۱)

’’مجھے میرے گھر والوں نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس (چاندی سے بنا ہوا) پانی کا ایک پیالہ دے کر بھیجا۔ (اسرائیل نے تین انگلیاں پکڑ کر اس پیالے کی طرح بنائیں) جس میں نبی اکرم ﷺ کا موئے مبارک تھا، اور جب کبھی کسی کو نظر لگ جاتی یا کوئی بیمار ہو جاتا تو وہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس (پانی کا) برتن بھیج دیتا۔ پس میں نے برتن میں جھانک کر دیکھا تو میں نے چند سرخ بال دیکھے۔‘‘

حافظ ابنِ حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

والمراد أنه كان من اشتكى أرسل إناء إلى أم سلمة فتجعل فيه تلك الشعرات وتغسلها فيه وتعيده فيشربه صاحب الإناء أو يغتسل بهِ استشفاء بها فتحصل له بركتها۔ (۲)

’’اس حدیثِ مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بیمار ہو جاتا تو وہ کوئی برتن

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب اللباس، باب: ما یذکر فی الشیب، ۵: ۲۲۱۰، رقم: ۵۵۵۷

۲۔ ابن راہویہ، المسند، ۱: ۱۷۳، رقم: ۱۴۵

۳۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۶: ۲۱

(۲) عسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، ۱۰: ۳۵۳

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں بھیجتا۔ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے ان مبارک بالوں کو اس میں رکھ دیتیں اور اس میں بار بار دھوتیں، پھر وہ بیمار شخص اپنے اس برتن سے پانی پیتا یا مرض کی شفاء کے لئے غسل کرتا تو اسے اُن موئے مبارک کی برکت حاصل ہو جاتی (یعنی وہ شفایاب ہو جاتا)۔‘‘

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

أنّ أم سلمة كان عندها شعرات من شعر النبي ﷺ حمر فی شئ مثل الجلجل وكان الناس عند مرضهم يتبركون بها ويستشفون من بركتها۔(۱)

’’حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضور نبی اکرم ﷺ کے موئے مبارک چاندی کی بوتل میں تھے۔ جب لوگ بیمار ہوتے تو وہ ان بالوں سے تبرک حاصل کرتے اور ان کی برکت سے شفا پاتے۔‘‘

(۱) موئے رسول ﷺ - دنیا کے جملہ خزانوں سے عزیز تر

اکابر ائمہ کرام موئے رسول ﷺ کی اس حد تک قدر و قیمت کرتے تھے کہ انہیں دنیا و مافیہا کے خزانوں سے بڑھ کر موئے رسول ﷺ سے محبت تھی۔

امام ابنِ سیرین بیان کرتے ہیں:

قُلْتُ لِعَبِيْدَةَ: عِنْدَنَا مِنْ شَعَرِ النَّبِيِّ ﷺ، أَصَبْنَاهُ مِنْ قِبَلِ أَنَسٍ، أَوْ مِنْ قِبَلِ أَهْلِ أَنَسٍ، فَقَالَ: لَأَنْ تَكُوْنَ عِنْدِي شَعَرَةٌ مِنْهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ

(۱) عینی، عمدۃ القاری، ۲۲: ۴۹

الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا۔(۱)

’’میں نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ سے کہا: ہمارے پاس حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند موئے مبارک ہیں جن کو ہم نے انس رضی اللہ عنہ یا ان کے اہلِ خانہ سے حاصل کیا ہے۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان مبارک بالوں میں سے ایک بال بھی میرے پاس ہوتا تو وہ مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتا۔‘‘

ایک اور روایت میں حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَأَنْ يَكُوْنَ عِنْدِي مِنْهُ شَعَرَةٌ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كُلِّ صَفْرَاءَ وَبَيْضَاءَ أَصْبَحَتْ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ وَفِي بَطْنِهَا۔(۲)

’’حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک بالوں میں سے ایک بال کا میرے پاس ہونا مجھے زمین کے تمام ظاہری اور پوشیدہ خزانوں، سونے اور چاندی کے حصول سے زیادہ محبوب ہے۔‘‘

(۲) وصال کے بعد موئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حصولِ برکت

حضرت ثابت بُنانی بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

هَذِهِ شَعَرَةٌ مِنْ شَعَرِ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَضَعْهَا تَحْتَ لِسَانِي، قَالَ:

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الوضوء، باب: الماء الذی یغسل به شعر الإنسان، ۱: ۷۵، رقم: ۱۶۸

۲۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۷: ۶۷، رقم: ۱۳۱۸۸

۳۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۲: ۲۰۱

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲۵۶، رقم: ۱۳۷۱۰

۲۔ بیہقی، السنن الکبری، ۲: ۴۲۷، رقم: ۴۰۳۲

فَوَضَعْتُهَا تَحْتَ لِسَانِهِ، فَدُفِنَ وَهِيَ تَحْتَ لِسَانِهِ۔(۱)

’’یہ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول ﷺ کا ایک بال مبارک ہے، پس تم اسے (تدفین کے وقت) میری زبان کے نیچے رکھ دینا۔ وہ کہتے ہیں: میں نے وہ بال مبارک آپ ﷺ کی زبان کے نیچے رکھ دیا اور انہیں اس حال میں دفنایا گیا کہ وہ بال ان کی زبان کے نیچے تھا۔‘‘

(۳) جنگ میں فتح کے لئے موئے مبارک کا وسیلہ

حضرت صفیہ بنتِ نجدہ سے مروی ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی میں حضور ﷺ کے چند موئے مبارک تھے۔ ایک دفعہ دورانِ جہاد وہ ٹوپی گر پڑی وہ اس کو لینے کے لئے تیزی سے دوڑے جبکہ اس معرکے میں بکثرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ اس پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لم أفعلها بسبب القَلَنْسُوة، بل لما تضَمَّنَتْه من شَعرِه ﷺ لئلا أُسْلَب بركتها وتقع فی أيدی المشرکين۔(۲)

’’میں نے صرف ٹوپی کے حاصل کرنے کیلئے اتنی تگ و دو نہیں کی تھی بلکہ اس لئے کہ اس ٹوپی میں حضور نبی اکرم ﷺ کے موئے مبارک تھے۔ مجھے خوف ہوا کہ کہیں اس کی برکت سے محروم نہ ہو جاؤں اور یہ کفار و مشرکین کے ہاتھ لگ جائے۔‘‘

(۴) حضرت اَسماء رضی اللہ عنہا نے جبۂ رسول ﷺ کو تبرکاً محفوظ رکھا

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام حضرت عبد اللہ سے

---

(۱) عسقلانی، الإصابة فی تمييز الصحابة، ۱: ۱۲۷

(۲) ۱۔ قاضی عياض، الشفاء بتعريف حقوق المصطفیٰ، ۲: ۶۱۹

۲۔ عينی، عمدة القاری، ۳: ۳۷

روایت ہے کہ حضرت اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہما نے کسروانی طیلسان کا جبہ نکال کر دکھایا جس کے گریبان اور آستینوں پر ریشمی کپڑا لگا ہوا تھا۔ پس آپ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں:

هَذِهِ كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ حَتَّى قُبِضَتْ، فَلَمَّا قُبِضَتْ قَبَضْتُهَا وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَلْبَسُهَا، فَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضَى يُسْتَشْفَى بِهَا۔ (۱)

''یہ مبارک جبّہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کی وفات تک محفوظ رہا، جب ان کی وفات ہوئی تو اسے میں نے لے لیا۔ یہی وہ مبارک جبّہ ہے جسے حضور نبی اکرم ﷺ زیبِ تن فرماتے تھے، سو ہم اسے دھو کر اس کا پانی (تبرکًا) بیماروں کو شفاء یابی کے لئے پلاتے ہیں۔''

امام نوویؒ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

وفی هذا الحديث دليل على استحباب التبرک بآثار الصالحين وثيابهم۔ (۲)

''اس حدیث میں آثارِ صالحین اور ان کے ملبوسات سے حصولِ تبرک کے جائز و پسندیدہ ہونے کی دلیل ہے۔''

۵۔ حضور ﷺ کے پیالہ سے تبرک

لبِ رسول ﷺ نے جس برتن کو مس کیا وہ بھی بڑا بابرکت ہو گیا۔ صحابہ

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب اللباس والزينة، باب: تحريم استعمال إناء الذهب والفضة على الرجال، ۳: ۱۶۴۱، رقم: ۲۰۶۹

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۳۴۷، رقم: ۲۶۹۸۷

۳۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۴: ۹۸، رقم: ۲۶۴

(۲) نووی، شرح صحيح مسلم، ۱۴: ۴۴

کرام ﷺ ایسے برتنوں کو بطور تبرک اپنے پاس محفوظ رکھتے تھے اور پانی پلانے کے لئے ایسے برتنوں کا استعمال باعثِ برکت و سعادت گردانتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا تو مجھے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ملے اور انہوں نے کہا:

اِنْطَلِقَ إِلَى الْمَنْزِلِ فَأَسْقِيَکَ فِي قَدَحٍ شَرِبَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ۔ (۱)

’’میرے ساتھ گھر چلیں میں آپ کو اس پیالہ میں پلاؤں گا جس میں حضور نبی اکرم ﷺ نے پیا ہے۔‘‘

حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ کے پاس بھی حضور علیہ السلام کا مبارک پیالہ محفوظ تھا بعد میں جب حضرت عمر بن عبدالعزیز نے وہ پیالہ ان سے مانگ لیا تو حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے وہ پیالہ ان کو دے دیا۔

(۱) حضور ﷺ کے پیالہ کی حفاظت کا خصوصی اہتمام

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ایسا پیالہ بھی محفوظ تھا جس میں حضور ﷺ نے پانی نوش فرمایا تھا۔ سوئے اتفاق سے جب وہ ٹوٹ گیا تو انہوں نے اس کی مرمت کا خصوصی اہتمام کیا۔

عاصم، امام ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں:

أَنَّ قَدَحَ النَّبِيِّ ﷺ انْكَسَرَ فَاتَّخَذَ مَكَانَ الشَّعْبِ سِلْسِلَةً مِنْ فِضَّةٍ.

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب: ما ذکر النبی ﷺ وحض علی النفاق أهل العلم، ۶: ۲۶۷۳، رقم: ۶۹۱۰
۲۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۵: ۳۴۹، رقم: ۱۰۷۰۸

قَالَ عَاصِمٌ: رَأَيْتُ الْقَدَحَ وَشَرِبْتُ فِيْهِ۔(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ کا پیالہ ٹوٹ گیا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے (اسے جوڑنے کے لئے عام چیز کی بجائے) جوڑ پر چاندی کے تار لگا دیئے۔ عاصم (راوی) کہتے ہیں: خود میں نے اس پیالے کی زیارت کی ہے اور اس میں پیا ہے۔‘‘

(۲) پیالۂ رسول ﷺ کے پانی سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا حصولِ برکت

حجاج بن حسان بیان کرتے ہیں:

كُنَّا عِنْدَ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، فَدَعَا بِإِنَاءٍ وَفِيْهِ ثَلَاثُ ضِبَابٍ حَدِيْدٍ وَحَلْقَةٌ مِنْ حَدِيْدٍ، فَأُخْرِجَ مِنْ غِلَافٍ أَسْوَدَ وَهُوَ دُوْنَ الرُّبُعِ وَفَوْقَ نِصْفِ الرُّبُعِ، فَأَمَرَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ فَجُعِلَ لَنَا فِيْهِ مَاءٌ فَأُتِيْنَا بِهِ فَشَرِبْنَا وَصَبَبْنَا عَلَى رُؤُوْسِنَا وَوُجُوْهِنَا وَصَلَّيْنَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ۔(۲)

’’ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس تھے کہ آپ نے ایک برتن منگوایا جس میں لوہے کے تین مضبوط دستے اور ایک چھلا تھا۔ اس برتن کو سیاہ غلاف سے نکالا گیا جو درمیانے سائز سے کم اور نصف چوتھائی سے زیادہ تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس میں ہمارے لیے پانی ڈال کر لایا گیا تو ہم نے پانی پیا اور

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الخمس، باب: ما ذکر من درع النبی ﷺ، ۳: ۱۱۳۱، رقم: ۲۹۴۲
۲۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۸: ۸۷، رقم: ۸۰۵۰
۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۱: ۲۹، رقم: ۱۱۱۔۱۱۳
(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۸۷، رقم: ۱۲۹۷۱
۲۔ مقدسی، الأحادیث المختارۃ، ۵: ۲۱۶، رقم: ۱۸۴۵
۳۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۶: ۷

اپنے سروں اور چہروں پر ڈالا اور حضور نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھا۔‘‘

اس صحیح حدیثِ مبارکہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ بعد از وصال گہری تعظیم کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس سے درج ذیل پہلو نمایاں معلوم ہوئے:

۱۔ خادمِ رسول ﷺ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے مس کردہ مبارک برتن کو محفوظ رکھا۔

۲۔ اس مبارک برتن سے وہ دوسروں کو فیضِ رسول ﷺ سے مستفید کرتے۔

۳۔ تابعین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خصوصی فیض حاصل کرنے کے لئے اُس مبارک برتن میں سے نہ صرف پیتے بلکہ اپنے سروں اور چہروں پر بھی ڈالتے۔

۴۔ اہم بات یہ کہ حصولِ برکت کے اس سہانے موقع پر تابعین حضور علیہ السلام کی بارگاہِ قدسیہ میں درود و سلام بھی پیش کرتے، یوں وہاں محفلِ درود بھی قائم ہوتی۔

غور طلب پہلو یہ ہے کہ اتنے اہتمام کرنے کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینِ عظام میں سے کبھی کسی نے ایک دوسرے پر شرک اور بدعت کا فتویٰ نہیں لگایا، کیونکہ وہ رسولِ اکرم ﷺ کی اس حقیقی تعلیم سے آشنا تھے کہ آثارِ رسول ﷺ سے بعد از وصال بھی برکت حاصل کرنا ہرگز بھی منافیٔ توحید اور شرک نہیں۔

۶۔ نعلینِ مبارک سے تبرک

جن پاپوش کو حضور نبی اکرم ﷺ کے پھولوں سے نرم و نازک تلووں نے مس کیا اور جنہیں آپ ﷺ کے مبارک قدمین شریفین سے نسبت ہوگئی وہ بھی بڑے بابرکت ہو گئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان نعلینِ مبارک کو تبرکاً محفوظ رکھا اور ہمیشہ ان کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتے رہے۔ عشاقانِ مصطفیٰ ﷺ نے اس کی تاج شاہی سے بڑھ کر تعظیم کی

کیونکہ حضور ﷺ سے بے پناہ عشق ومحبت اور آپ ﷺ سے منسوب اشیاء کی تعظیم وتکریم ہی ایک بندہ مؤمن کی زندگی کا حقیقی سرمایہ ہیں۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ علماء متقدمین ومتاخرین نے نعلینِ پاک کے متعلق متعدد کتب تالیف کی ہیں مثلاً:

۱۔ مولانا شہاب الدین احمد مقری نے ''فتح المتعال فی مدح النعال'' نامی کتاب لکھی۔

۲۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے ''نیل الشفاء بنعال المصطفٰی ﷺ'' رسالہ لکھا جو کہ ان کی کتاب ''زاد السعید'' میں موجود ہے۔

۷۔ نقشِ نعلینِ مبارک سے حصولِ برکت

نقشِ نعلینِ مبارک کے حوالے سے امام ابنِ فہد مکی اور دیگر ائمہ کی ایک کثیر تعداد نے اپنا اپنا یہ تجربہ بیان کیا کہ یہ جس لشکر میں ہوگا وہ فتح یاب ہوگا۔ جس قافلے میں ہوگا وہ بحفاظت اپنی منزل پر پہنچے گا۔ جس کشتی میں ہوگا وہ ڈوبنے سے محفوظ رہے گی، جس گھر میں ہوگا وہ جلنے سے محفوظ رہے گا، جس مال ومتاع میں ہوگا، وہ چوری سے محفوظ رہے گا اور کسی بھی حاجت کے لئے صاحبِ نعلین (حضور نبی اکرم ﷺ) سے توسل کیا جائے تو وہ پوری ہو کر رہے گی اور اس توسل سے ہر تنگی فراخی میں تبدیل ہو گی۔

نقشِ نعلین پاک کی آزمائی ہوئی فوائد و برکات میں سے یہ بھی ہے کہ جو شخص اس کو حصولِ برکت کی نیت سے اپنے پاس محفوظ رکھے تو وہ شخص ظالم کے ظلم سے، دشمنوں کے غلبہ سے، شیاطین کے شر اور ہر حاسد کی نظرِ بد سے حفاظت میں رہے گا۔ اسی طرح اگر کوئی حاملہ عورت شدت دردِ زہ میں اس کو اپنے دائیں پہلو پر رکھے تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت ومشیت سے اس خاتون پر آسانی فرمائے گا۔ اس نقشِ مقدس کی برکتوں میں سے یہ بھی

ہے کہ اس کے ذریعہ نظرِ بد اور جادوٹونے سے آدمی امان میں رہتا ہے۔ برکاتِ نعلینِ پاک کے حوالے سے بہت سے واقعات کو امام مقری نے اپنی کتاب ''فتح المتعال فی مدح النعال'' میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

۸۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبرِ انور سے تبرک

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبرِ انور پر تبرک اور توسل کے لئے حاضر ہونا بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معمولات سے ثابت ہے۔ حضرات شیخین کریمین کا قبرِ انور کے قرب میں دفن ہونے کی خواہش، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی لوگوں کو قبرِ انور پر حاضری کی تلقین، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت بلال اور حضرت ابوایوب انصاری رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کے حاضری کے معمولات صحتِ روایات کے ساتھ ثابت ہیں۔

آثارِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے ادبی کی سزا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب و احترام واجباتِ ایمان میں سے ہے۔ ادب و احترام کا یہی تقاضا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنن مقدسہ، احادیثِ مبارکہ حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکرِ مبارک کے باب میں بھی ملحوظ رہنا چاہئے۔ اس طرح اہلِ بیتِ اطہار، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کی محبت و ادب بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک نسبت سے ضروری ہے۔ ایسے امور کے ملحوظ رکھنے سے اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو بہت سی ظاہری و باطنی برکات سے نوازتا ہے۔ اس کے برعکس ان کی بے ادبی کرنے سے بہت سی آفات و بلیات نازل ہوتی ہیں جن کا عام لوگوں کو ادراک نہیں ہوتا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ ''الشفا'' میں ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أن جَهْجَاهَا الغفَارِيَّ أخَذَ قضيبَ النبيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من يد عثمان رضی اللہ عنہ،

وتناوله لِيكسِره على رُكبته، فصاح به الناسُ، فأخذته الأَكِلَة فی رُكبته فقطعها، وَمَاتَ قَبْل الْحَولِ۔(۱)

’’جَهجاها غفاری نے حضور نبی اکرم ﷺ کا عصا مبارک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے چھین لیا اور اسے اپنے گھٹنے پر رکھ کر توڑنے کی (مذموم) کوشش کی۔ لوگوں نے شور مچا کر اسے روک دیا۔ پھر (اس کو اس بے ادبی کی غیبی سزا اس طرح ملی کہ) اس کے گھٹنے پر پھوڑا نکلا جو ناسور بن گیا جس کی وجہ سے اس کی ٹانگ کاٹ دی گئی اور وہ ایک سال سے کم عرصہ میں مر گیا۔‘‘

نوٹ: مزید تفصیلات کے لئے راقم کی کتاب ’’تبرک کی شرعی حیثیت‘‘ ملاحظہ کریں۔

خلاصۂ کلام

مذکورہ تمام روایاتِ صحیحہ جو احادیثِ مبارکہ کی معتبر ترین کتب سے ماخوذ ہیں، اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعینِ عظام اور ائمہ کبار حضور نبی اکرم ﷺ کے بعد از وصال بھی آپ ﷺ کے آثار سے برکت حاصل کرتے رہے۔ انہوں نے آپ ﷺ سے منسوب ہر شے کی اسی طرح بے حد تعظیم کی جس طرح وہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ظاہری حیاتِ مبارکہ میں اِن کی تکریم کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو تبرکاتِ نبی ﷺ کی حفاظت کا اس قدر اہتمام فرماتے اس سے ان کا مقصد انہیں برائے نمائش محفوظ رکھنا نہیں تھا بلکہ وہ انہیں منبعِ فیوض و برکات اور دافعِ آفات و بلیات سمجھتے تھے۔ ان کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے۔ ان رِوایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر اکابرینِ اُمت نے ان آثار و تبرکات سے نہ صرف یہ کہ فیوض و

(۱) ۱۔ قاضی عیاض، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، ۲: ۶۲۱

۲۔ بخاری، التاریخ الصغیر، ۱: ۷۹، رقم: ۳۱۱

۳۔ عسقلانی، الاصابة فی تمییز الصحابة، ۱: ۵۱۹

برکات حاصل کئے بلکہ مقاصدِ جلیلہ بھی پورے کئے۔

جمہور صحابہ اور کثیر تابعین سے مروی مذکورہ روایات اور اِن پر ابنِ عبدالبر، قاضی عیاض، نووی، ابنِ حجر عسقلانی، بدرالدین عینی، سیوطی، زرقانی اور دیگر اجل ائمہ کے تبصروں اور آراء سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اُن عظیم ہستیوں کے نزدیک انبیاءِ عظام اور صالحینِ کبار کے آثار سے اُن کی حیات میں اور بعد از وصال فیوض و برکات حاصل کرنا ہرگز بھی شرک کے دائرہ میں نہیں آتا۔

جو شخص بھی صحابہ، تابعین اور اکابرینِ امت کے اس عقیدہ صحیحہ کا انکار کرتا ہے وہ درحقیقت راہِ ضلالت پر چل رہا ہے۔ جس کے بارے میں اللہ رب العزت نے قرآن میں فرمایا:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ط وَسَاءَتْ مَصِيْرًا ○ (۱)

''اور جو شخص رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ اس پر ہدایت کی راہ واضح ہو چکی اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ کی پیروی کرے تو ہم اسے اسی (گمراہی) کی طرف پھیرے رکھیں گے جدھر وہ (خود) پھر گیا ہے اور (بالآخر) اسے دوزخ میں ڈالیں گے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے ○''

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہمیں صراط مستقیم پر استقامت سے چلنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین! بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

www.MinhajBooks.com

(۱) النساء، ۴: ۱۱۵

فصل چہارُم

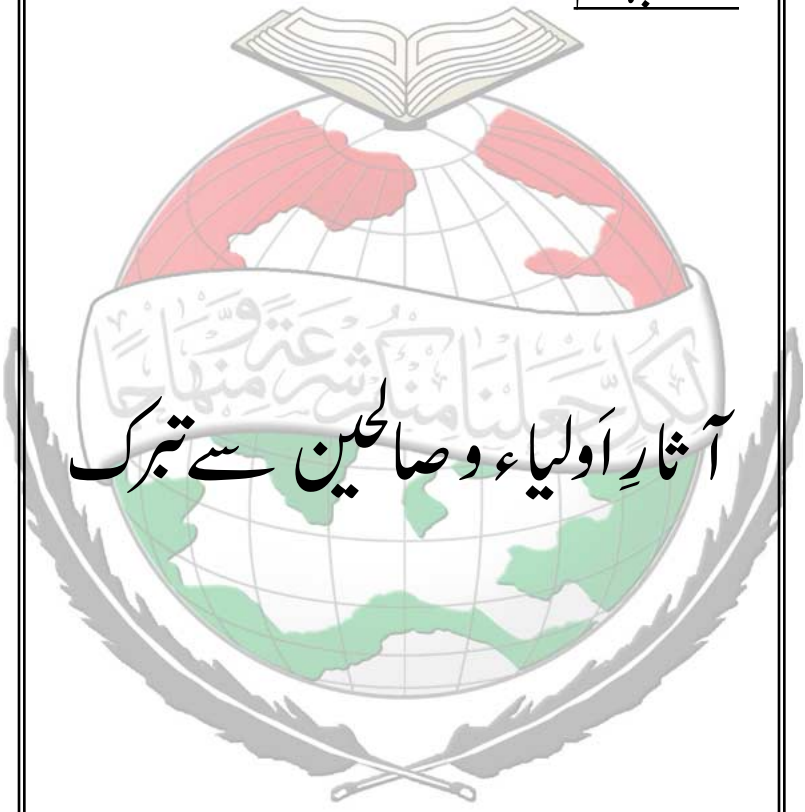

آثارِ اَولیاء و صالحین سے تبرک

www.MinhajBooks.com

حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات میں اور بعد از وصال آپ ﷺ کے آثار سے برکت حاصل کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینِ عظام کی سنت سے ثابت ہے جس پر پچھلے ابواب میں تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔ یہ سلسلۂ تبرک صرف آقا علیہ السلام کی ذات تک محدود نہیں رہا بلکہ آپ ﷺ کی صحبت اور معیت سے فیض یاب ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور پھر ان سے نسبتِ غلامی رکھنے والے تابعین الغرض آج تک آپ ﷺ کی امت میں جتنے اکابر اولیاء، صالحین، محدّثین، فقہاء، مفسرین گزرے ہیں اُن کے متعلقین اُن کے آثار سے برکت حاصل کرتے رہے ہیں۔ ہر ولی اور صالح شخص سے اُن کے متعلقین نے اُن کی حیات میں اور اُن کے وصال کے بعد اُن کی قبور سے برکت حاصل کی ہے۔ زیرِ نظر فصل میں احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں اولیاء اور صالحین کے بابرکت ہونے کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ تاریخ کے اوراق سے ایسے چند واقعات درج کئے جا رہے ہیں جن سے یہ ثابت ہوگا کہ اکابرینِ اُمت اور عامۃ الناس کا کئی صدیوں سے یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ صالحین کے آثار و تبرکات سے فیوض و برکات حاصل کرنے کو اپنی سعادت سمجھتے رہے ہیں۔

۱۔ برکاتِ اَولیاء کے سبب فتح و نصرت اور رِزق کی فراہمی

حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے کثیر ارشاداتِ عالیہ میں اولیاء اور صلحاء کے وجود کو اپنی امت کے لئے بابرکت فرمایا ہے۔ ذیل میں چند احادیثِ مبارکہ ملاحظہ کریں:

۱۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ فَيَغْزُوْ فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ فَيُقَالُ: هَلْ فِيْكُمْ مَنْ

صَاحَبَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: نَعَمْ، فَيُفْتَحُ لَهُمْ، ثُمَّ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ فَيَغْزُوْ فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ فَيُقَالُ: هَلْ فِيْكُمْ مَنْ صَاحَبَ أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: نَعَمْ، فَيُفْتَحُ لَهُمْ، ثُمَّ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ فَيَغْزُوْ فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ فَيُقَالُ: هَلْ فِيْكُمْ مَنْ صَاحَبَ مَنْ صَاحَبَ أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: نَعَمْ، فَيُفْتَحُ لَهُمْ۔ (۱)

’’لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جب لوگوں کی ایک بڑی جماعت جہاد کرے گی تو ان سے پوچھا جائے گا: کیا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ کی صحبت میں رہا ہو؟ پس وہ لوگ کہیں گے: ہاں (ایسا شخص ہمارے درمیان موجود ہے)۔ تو انہیں (اس صحابیٔ رسول ﷺ کی وجہ سے) فتح عطا کر دی جائے گی۔ پھر لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جب لوگوں کی ایک بڑی جماعت جہاد کرے گی تو ان سے پوچھا جائے گا: کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی صحبت پائی ہو؟ وہ کہیں گے: ہاں۔ پھر انہیں (اس تابعی کی وجہ سے) فتح عطا کر دی جائے گی۔ پھر لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ ایک کثیر جماعت جہاد کرے گی تو ان سے پوچھا جائے گا: کیا تمہارے درمیان کوئی ایسا شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی صحبت پانے والوں کی صحبت پائی ہو؟ وہ کہیں گے: ہاں، تو انہیں (تبع تابعی کی وجہ سے) فتح عطا کر دی جائے گی۔‘‘

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، باب: فضائل أصحاب النبی ﷺ، ۳: ۱۳۳۵، رقم: ۳۴۴۹

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب: فضائل الصحابة، باب: فضل الصحابة ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم، ۴: ۱۹۶۲، رقم: ۲۵۳۲

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۷، رقم: ۱۰۵۶

۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ عراق میں تھے کہ آپ کے پاس اہلِ شام کا ذکر کیا گیا۔ لوگوں نے کہا: امیر المؤمنین! آپ اہلِ شام پر لعنت بھیجیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں، میں لعنت نہیں بھیجتا کیونکہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

الأَبْدَالُ يَكُوْنُوْنَ بِالشَّامِ وَ هُمْ أَرْبَعُوْنَ رَجُلاً، كُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ، أَبْدَلَ اللهُ مَكَانَهُ رَجُلًا يُسْقَى بِهِمِ الْغَيْثُ وَيُنْتَصَرُ بِهِمْ عَلَى الْأَعْدَاءِ، وَيُصْرَفُ عَنْ أَهْلِ الشَّامِ بِهِمِ الْعَذَابُ۔ (۱)

’’شام میں (ہمیشہ) چالیس ابدال موجود رہیں گے، ان میں سے جب بھی کوئی مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کسی دوسرے کو ابدال بنا دیتے ہیں۔ ان کی وجہ سے اہلِ شام بارش سے سیراب کیے جاتے ہیں، دشمنوں پر ان کو ابدال کے وسیلے سے فتح عطا کی جاتی ہے اور ان کی برکت سے اہلِ شام سے عذاب کو ٹال دیا جاتا ہے۔‘‘

ملا علی قاری ’’مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح (۱: ۴۶۰)‘‘ میں مذکورہ حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أي ببركتهم أو بسبب وجودهم فيما بهم يدفع البلاء عَنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ۔

’’ابدالوں کی برکت اور ان میں ان کے وجود کے سبب اُمتِ محمدیہ سے بلائیں دور ہوتی ہیں۔‘‘

متعدد احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ امتِ مسلمہ کے اندر ہر زمانہ میں اللہ رب العزت کے کچھ اولیاء، صالحین اور مقرب یافتگان بندے موجود ہوتے ہیں۔ اللہ جل جلالہ

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۱۲

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۰: ۶۳، رقم: ۱۰۳۹۰

۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ۱۴: ۲۱۱

اپنے اِن صالح بندوں کی برکات کے سبب سے امتِ مسلمہ کو فتح و نصرت، بارش اور رزق سے نوازنے کے ساتھ ساتھ اِن سے اپنے عذاب کو بھی رفع فرماتا ہے۔

۲۔ اَجسادِ اولیاء کو تبرکاً بوسہ دینا

تاریخ میں ایسے واقعات بے شمار ہیں جن کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ امتِ مسلمہ کے ہر دور میں اکابر اولیاء اور عامۃ الناس اپنے زمانہ کی متبرک اور مقدس شخصیات کے ہاتھ، پاؤں اور سَر چوم کر اُن کے فیوض و برکات کو سمیٹتے رہے ہیں۔ ذیل میں اسی حوالے سے چند واقعات درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ حضرت عبد الرحمٰن بن رزین روایت کرتے ہیں کہ ہم 'ربذۃ' کے مقام سے گزرے تو ہم سے کہا گیا کہ یہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ ہیں، تو میں اُن کے پاس آیا اور ہم نے ان کو سلام کیا۔ پس انہوں نے اپنے ہاتھ باہر نکال کر کہا:

بايعت بهاتين نبيّ الله ﷺ فأخرج كفًا له ضخمة كأنها كف بعير فقمنا إليها فقبّلناها۔ (۱)

''میں نے ان دونوں ہاتھوں سے حضور ﷺ کی بیعت کی ہے تو انہوں نے اپنی بھاری بھرکم ہتھیلی نکالی گویا کہ وہ اونٹنی کی ہتھیلی کی مانند تھی پس ہم اس کی طرف بڑھے اور ان کی ہتھیلی کو بوسہ دیا۔''

۲۔ امام ابو نعیم اصبہانی نے بھی حضرت یونس بن مَیْسَرَہ سے مروی اسی طرح کا ایک واقعہ درج کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک روز یزید بن اسود عائذین کے پاس گئے۔ اُن کے پاس حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ تشریف لائے:

فلما نظر إليه مدّ يده فأخذ يده فمسح بها وجهه وصدره لأنه بايع رسول الله ﷺ۔ (۲)

(۱) بخاری، الأدب المفرد، ۱: ۳۳۸، باب تقبيل اليد، رقم: ۹۷۳

(۲) أبو نعيم أصبهانی، حلية الأولياء، ۹: ۳۰۶

’’پس جب حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھا تو اپنا ہاتھ آگے کیا، انہوں نے ہاتھ لے کر (حصولِ برکت کے لئے) اپنے چہرے اور سینے پر مَلا کیونکہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (اسی ہاتھ سے) بیعت کی تھی۔‘‘

۳۔ اکابر تابعین میں سے حضرت ثابتؒ نے ایک مرتبہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ

أمَسَسْتَ النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بيدك؟ قال: نعم! فقبّلها۔(۱)

’’کیا آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ہاتھ سے چھوا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں! پس ثابت نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو چوما۔‘‘

۴۔ یحییٰ بن ذماری فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مل کر کہا:

بايعت بيدك هذه رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ فقال: نعم، قلت: أعطني يدك أقبّلها فأعطانيها فقبّلتها۔(۲)

’’آپ نے اس ہاتھ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! پس میں نے کہا کہ اپنا ہاتھ میری طرف کریں کہ میں اسے بوسہ دوں تو انہوں نے اس کو میری طرف کیا سو میں نے اسے بوسہ دیا۔‘‘

۵۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

رأيت عليًا يقبّل يد العباس ورجليه.(۳)

’’میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اور

---

(۱) بخاری، الأدب المفرد، باب تقبيل اليد، ۱: ۳۳۸، رقم: ۹۷۴

(۲) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۲: ۹۴، رقم: ۲۲۶

۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۸: ۴۲

(۳) بخاری، الأدب المفرد، باب تقبيل اليد، ۱: ۳۳۹، رقم: ۹۷۶

پاؤں کو بوسہ دیا۔‘‘

سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر افضلیت حاصل ہے مگر چچا اور صالح ہونے کی وجہ سے آپ نے اُن کے ہاتھ اور پاؤں کا بوسہ لیا۔

۶۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے امام عالی مقام حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی اور اُن سے عرض کیا:

أرني الموضع الذي قبّله رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فرفع الحسن ثوبه، فقبّل سرّته۔(۱)

’’آپ مجھے وہ جگہ دکھائیں جہاں حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے بوسہ لیا ہے، امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے جسم سے کپڑا سرکا دیا تو انہوں نے آپ کی ناف کا بوسہ لیا۔‘‘

ذہن نشین رہے کہ جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ احادیث کے راوی ہیں، اس قدر عظیم البرکت شخصیت ہونے کے باوجود بھی انہوں نے اہلِ بیتِ اطہار سے فیض اور برکت حاصل کرنا ضروری سمجھا۔

۷۔ صاحبِ ’’الصحیح‘‘ امام مسلم نے برکت حاصل کرنے کے لئے امام بخاری کی پیشانی پر بوسہ دیا اور پھر عرض کیا:

دعني حتى أقبّل رجليک، يا أستاذ الأستاذين وسيد المحدّثين وطبيب الحديث في علله۔(۲)

’’اے استاذوں کے استاذ، سید المحدّثین اور عللِ حدیث کے طبیب! آپ مجھے

(۱) خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۹:۹۴، رقم: ۴۶۷۷

(۲) ابن نقطه، التقييد لمعرفة رواة السنن والمسانيد، ۱:۳۳

اجازت دیں تو میں آپ کے پاؤں کا بوسہ لے لوں۔‘‘

۸۔ عظیم نقاد محدّث امام ابوحاتم کہتے ہیں کہ جب ابومسہر عبد الاعلیٰ دمشقی غسانی (م ۲۱۸ھ) مسجد میں تشریف لاتے تو

اصطفّ الناس يسلّمون عليه ويقبّلون يده۔ (۱)

’’لوگ صف در صف اُن کو سلام کرتے اور اُن کے ہاتھوں کا بوسہ لیتے۔‘‘

۹۔ علامہ ابنِ جوزی اور امام ذہبی، امام ابو قاسم سعد بن علی بن محمد زنجانی (م ۴۷۱ھ) کے متعلق لکھتے ہیں:

كان إذا خرج إلى الحرم، يخلون المطاف ويقبّلون يده أكثر من تقبيل الحجر۔ (۲)

’’جب وہ حرم میں تشریف لاتے تو لوگ طواف کو چھوڑ دیتے اور حجرِ اسود کو چومنے سے بھی بڑھ کر اُن کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے۔‘‘

۱۰۔ حافظ ابنِ کثیر، فقیہ زاہد ابوجعفر شریف حنبلی کے بارے میں درج کرتے ہیں:

يدخل عليه الفقهاء وغيرهم، ويقبّلون يده ورأسه۔ (۳)

’’فقہاء اور دیگر حضرات اُن کے پاس آتے تو (برکت کی غرض سے) اُن کے ہاتھ اور سر کا بوسہ لیتے۔‘‘

۱۱۔ علامہ ابن العماد حنبلی، زاہد ابوبکر بن عبدالکریم حنبلی (م ۶۳۵ھ) کے ترجمہ میں

(۱) خطيب بغدادی، تاريخ بغداد، ۱۱: ۷۳

(۲) ۱۔ابن جوزی، صفة الصفوة، ۲: ۲۶۶، رقم: ۲۲۴

۲۔ذہبی، تذكرة الحفاظ، ۳: ۱۱۷۵، رقم: ۱۰۲۶

(۳) ابن كثير، البداية والنهاية، ۱۲: ۱۱۹

لکھتے ہیں:

كان شيخاً صالحاً متديناً ورعاً، منقطعاً عَن النَّاسِ في قريته يقصده الناس لزيارته والتبرک به۔(۱)

’’آپ بزرگ، صالح، دین دار اور زاہد شخص تھے، اپنی بستی میں لوگوں سے تنہا رہتے تھے، لوگ اُن کی زیارت کے لئے اور اُن سے برکت حاصل کرنے کی غرض سے اُن کے پاس حاضر ہوتے۔‘‘

مندرجہ بالا تمام آثار اور واقعات اس بات پر شاہد ہیں کہ آج بھی اگر کوئی مرید، شاگرد یا سالک اپنے شیخ، مربی اور مرشد کے ہاتھ، پاؤں اور سَر کا بوسہ لے تو وہ شرک نہیں ہوگا بلکہ عین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنتِ فعلی اور سلف صالحین کی اتباع ہوگی۔ اگر شیخ یا کسی بزرگ و متبرک ہستی کے تبرکاً ہاتھ پاؤں چومنے کی کوئی ممانعت ہوتی یا اس میں کسی شرک کا شائبہ پایا جاتا تو تاجدارِ کائنات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانثار صحابہ اور بعد میں آنے والے اُن کے متبعین ائمہ کرام کبھی بھی اس عمل کو بجا لانے کی جرأت نہ کرتے۔ چونکہ اس پر کوئی ممانعت وارد نہیں ہوئی لہٰذا اگر آج ہم میں سے بھی کوئی شخص حصولِ برکت کی نیت سے اپنے شیخ کے ہاتھ پاؤں چومے گا تو وہ اتباعِ صحابہ ہی پر عمل کر رہا ہوگا۔

۳۔ تبرکاً صالحین کی دست بوسی سے متعلق اَئمہ اَربعہ کی تصریحات

مذاہبِ اربعہ کے فقہاء ائمہ نے اولیاء اور صالحین کے ہاتھوں اور پاؤں کو برکت حاصل کرنے کی غرض سے چومنے کو جائز، مستحب اور مسنون قرار دیا ہے۔ اس پر درج ذیل اقوالِ فقہاء ملاحظہ فرمائیں:

(۱) اَحناف کا مؤقف

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی (م ۱۰۸۸ھ) رقم طراز ہیں:

(۱) ابن العماد، شذرات الذهب، ۳: ۱۷۱

لا بأس بتقبيل يد الرجل العالم والمتورع على سبيل التبرک۔[۱]

’’حصولِ برکت کی غرض سے عالم اور زاہد شخص کا ہاتھ چومنے میں کوئی حرج نہیں۔‘‘

(۲) مالکیہ کا موقف

علامہ ابنِ بطال بکری قرطبی نے تقبیلِ ید پر امام مالک کا فتویٰ بیان کیا ہے:

إنما كرهها مالک إذا كانت على وجه التكبر والتعظم، وأما إذا كانت على وجه القربة إلى الله لدينه أو لعلمه أو لشرفه فإن ذلک جائز۔[۲]

’’اگر تکبر اور بڑائی کے پیشِ نظر کسی کا ہاتھ چوما جائے تو امام مالک نے اسے ناپسندیدہ قرار دیا ہے لیکن اگر یہ عمل کسی شخص کے دین، علم اور شرف کے باعث اللہ رب العزت کے ہاں قربت چاہنے کی وجہ سے ہو تو جائز ہے۔‘‘

(۳) شوافع کا موقف

شارحِ ’’صحیح مسلم‘‘ امام محیی الدین نووی شافعی (م ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

(الرابعة) يستحبّ تقبيل يد الرجل الصالح والزاهد والعالم ونحوهم من أهل الآخرة۔[۳]

’’(چوتھا مسئلہ) صالح، زاہد، عالم اور ان جیسے دیگر آخرت کی فکر رکھنے والے اشخاص کا ہاتھ چومنا مستحب ہے۔‘‘

(۱) حصكفي، در المختار، ۶: ۳۸۳

(۲) عسقلاني، فتح الباري شرح صحيح البخاري، ۱۱: ۵۷

(۳) نووي، المجموع شرح المهذب، ۴: ۵۱۶

(۴) حنابلہ کا مؤقف

علامہ منصور بن یونس بن ادریس بہوتی حنبلی (م ۱۰۵۱ھ) صالحین کے ہاتھوں کو چومنے کے بارے لکھتے ہیں:

ولا بأس بتقبيل الرأس واليد لأهل العلم والدين ونحوهم۔(۱)

''اہلِ علم و دین اور اِن جیسی دیگر شخصیات کا سَر اور ہاتھ چومنے میں کوئی حرج نہیں۔''

اسی بحث کو جاری رکھتے ہوئی علامہ بہوتی آگے لکھتے ہیں:

يباح تقبيل اليد والرأس تديناً وإكراماً واحتراماً مع أمن الشهوة۔(۲)

''کسی کی دینداری، اکرام اور احترام کے سبب سَر اور ہاتھ چومنا مباح ہے بشرطیکہ شہوتِ نفسانی سے محفوظ ہو۔''

مذاہبِ اربعہ کے اَجل ائمہ کی درج بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ امتِ مسلمہ کے کسی صالح، متقی، پرہیزگار، زاہد، عالم اور دیندار شخص کے ہاتھ، پاؤں اور سر کو حصولِ برکت کے لئے چومنا مسنون، مستحب اور مباح ہے۔ کسی بھی شخص کے ہاتھ پاؤں چومنے کو اُس صورت میں مکروہ اور ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے جبکہ اس کے باعث غرور، تکبر، بڑائی اور نفسانی خواہشات کی رو میں بہکنے کا اندیشہ ہو لیکن اگر کوئی مرید یا شاگرد محض تبرک کی نیت سے اپنے شیخ اور استاذ کا ہاتھ پیر چومتا ہے تو وہ جائز ہے۔

۴۔ اَجسادِ اولیاء سے منسوب اَشیاء سے تبرک

۱۔ (امام شافعی کے شاگرد) ربیع بن سلیمان بیان کرتے ہیں کہ امام شافعی مصر

(۱) بہوتی، کشاف القناع عن متن الإقناع، ۲: ۱۵۶

(۲) بہوتی، کشاف القناع عن متن الإقناع، ۲: ۱۵۷

تشریف لائے تو انہوں نے مجھ سے کہا: میرا یہ خط سلامتی سے ابوعبداللہ احمد بن حنبل تک پہنچا دو اور مجھے جواب لا کر دو۔ ربیع کہتے ہیں کہ میں وہ خط لے کر بغداد پہنچا تو نمازِ فجر کے وقت امام احمد بن حنبل سے میری ملاقات ہوئی۔ جب وہ حجرہ سے باہر تشریف لائے تو میں نے خط اُن کے سپرد کرتے ہوئے کہا کہ یہ خط آپ کے بھائی شافعی نے آپ کو مصر سے بھیجا ہے۔ امام احمد نے مجھ سے کہا: کیا تو نے اسے پڑھا ہے؟ میں نے کہا: نہیں! انہوں نے مہر توڑ کر اسے پڑھا تو ان کی آنکھیں بھر آئیں، میں نے پوچھا: ابوعبداللہ کیا ہوا، اس میں کیا لکھا ہے؟ انہوں نے فرمایا: امام شافعی نے مجھے لکھا ہے کہ انہوں نے خواب میں حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی ہے۔ آپ ﷺ نے انہیں فرمایا ہے کہ ابوعبداللہ کو خط لکھو، اسے سلام لکھ کر کہو کہ تمہیں عنقریب آزمایا جائے گا اور تمہیں خلقِ قرآن (کے باطل عقیدہ) کی دعوت دی جائے گی سو تم اسے قبول نہ کرنا، اللہ تعالیٰ تمہیں قیامت کے روز باعزت عالم دین کے طور پر اٹھائے گا۔ اس کے بعد ربیع بیان کرتے ہیں:

فقلت له: البشارة يا أبا عبدالله، فخلع أحد قميصه الذي يلي جلده فأعطانيه، فأخذت الجواب، فخرجت إلى مصر وسلمته إلى الشافعي. فقال: أيش الذي أعطاک. فقلت: قميصه. فقال الشافعي: ليس نفجعک به، ولکن بلّه وادفع إلي الماء لأتبرک به. (۱)

’’میں نے اُن سے کہا: ابوعبداللہ! آپ کو تو خوشخبری ملی ہے۔ انہوں نے اپنے جسم سے مَس کردہ قمیص اتار کر مجھے عنایت کی، میں اُن سے جواب لے کر مصر میں امام شافعی کے پاس حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: انہوں نے تمہیں کوئی چیز عطا کی ہے؟ میں نے کہا: اپنی قمیص، امام شافعی نے فرمایا: ہم تمہیں اس کے بارے زیادہ تکلیف میں مبتلا نہیں کرتے، مگر اتنا کردو کہ اسے گیلا کر کے ہمارے حوالے کرو تاکہ ہم اس سے برکت حاصل کریں۔‘‘

(۱) تاج الدین سبکی، طبقات الشافعیة الکبری، ۲: ۳۶

۲۔ امیر المؤمنین فی الحدیث امام سفیان ثوری (متوفی ۱۶۱ھ) اپنے زمانہ کے اولیاء کے پاس تبرک کے لئے حاضر ہوئے، امام احمد بن عبداللہ عجلی نے کوفہ کے ایک عبادت گزار محدّث عمرو بن قیس الملائی کوفی کے ترجمہ میں لکھا ہے:

كان سفيان يأتيه يسلّم عليه يتبرک به۔(۱)

''سفیان ثوری اُن کے پاس حاضر ہوتے، انہیں سلام کہتے اور ان سے برکت حاصل کرتے۔''

۳۔ سلطان محمود غزنوی کو سومنات کی جنگ میں حضرت خواجہ ابو الحسن خرقانیؒ کے جبے کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح و نصرت عطا فرمائی تھی۔ حضرت شیخ فرید الدین عطارؒ تذکرۃ الأولیاء کے صفحہ نمبر ۳۴۴ پر بیان کرتے ہیں:

''سلطان محمود غزنوی کے پاس حضرت خواجہ ابو الحسن خرقانیؒ کا جبّہ مبارک تھا۔ سومنات کی جنگ میں ایک موقع پر خدشہ ہوا کہ مسلمانوں کو شکست ہو جائے گی، سلطان محمود غزنوی اچانک گھوڑے سے اتر کر ایک گوشے میں چلے گئے اور وہ جبّہ ہاتھ میں لے کر سجدے میں گر گئے اور دعا مانگی:

اللّٰهم، انصرنا على هؤلاء الكفّار ببركة صاحب هذه الخرقة، و كل ما يحصل لي من أموال الغنيمة فهو صدقة على الفقراء۔(۲)

''یا اللہ! اس جبّے والے کی برکت سے ہمیں کافروں پر فتح و نصرت عطا فرما اور جو کچھ مال غنیمت ہاتھ آئے گا وہ سب درویشوں پر صدقہ ہوگا۔''

اس کے بعد شیخ فرید الدین عطارؒ بیان کرتے ہیں:

''اچانک دشمن کی طرف سے شور اُٹھا اور تاریکی چھا گئی اور کافر آپس میں ایک

---

(۱) عجلی، معرفة الثقات، ۲: ۱۸۲

(۲) فرید الدین عطار، تذکرة الأولیاء: ۳۴۴

دوسرے کو قتل کرنے لگے اور مختلف حصوں میں بٹ گئے۔ لشکرِ اسلام کو فتح حاصل ہو گئی۔ اس رات محمود غزنوی نے حضرت ابو الحسن خرقانیؒ کو خواب میں فرماتے ہوئے سنا:

يا محمود، لم تعرف مكانة خرقتنا في حضرة الله ﷻ، لو سألت الله ﷻ في تلك السّاعة إسلام جميع الكفار لأسلموا۔(۱)

''اے محمود! تم نے دربارِ الٰہی میں ہمارے جبّے کی قدر نہ کی۔ اگر تم اللہ ﷻ سے اُس لمحے تمام کافروں کے لیے قبولیتِ اسلام کی درخواست کرتے تو (اس کی برکت سے) وہ سب اِسلام قبول کر لیتے۔''

۵۔ قبورِ اولیاء و صالحین سے تبرک

جمہور امتِ مسلمہ میں حصولِ برکت کا ایک ذریعہ قبورِ اولیاء و صالحین پر حاضری بھی رہا ہے۔ تاریخِ اسلام میں شاید ہی کوئی ایسی بابرکت ہستی گزری ہوگی جس کی قبر مبارک پر عامۃ الناس اور اکابرینِ امت نے حاضری نہ دی ہو۔ انبیاء کرام علیہم السلام سے لے کر اہلِ بیتِ نبوی ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، صالحین، زاہدین، محدّثین اور اولیاء رحمۃ اللہ تعالی علیہم کی قبور پر حاضری امتِ مسلمہ کی تاریخ کا حصہ رہی ہے۔ اس پر تفصیلات کتاب ھذا کے باب ''توحید اور زیارت'' میں ملاحظہ کریں دلیل کے طور پر چند صالحین کی قبور پر عامۃ الناس اور ائمہ کی حاضری کے واقعات درج ذیل ہیں۔

(۱) امام شافعیؒ کا امام اعظمؒ کی قبر سے تبرک

خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) اور بہت سے ائمہ کی تحقیق کے مطابق امام شافعیؒ جب بغداد میں ہوتے تو حصولِ برکت کی غرض سے امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کی زیارت کرتے۔ خطیب بغدادیؒ نقل کرتے ہیں کہ امام شافعی، امام ابو حنیفہ (متوفی ۱۵۰ھ) کے مزار کی برکات کے بارے میں خود اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(۱) فريد الدين عطار، تذكرة الأولياء: ۳۴۵

إنّي لأتبرّک بأبي حنيفة، وأجيء إلى قبره في کلّ يوم – يعني زائرًا – فإذا عُرضت لي حاجة صلّيت رکعتين، وجئتُ إلى قبره، و سألت الله تعالى الحاجة عنده، فما تبعد عنّي حتى تقضى۔[1]

’’میں امام ابوحنیفہ کی ذات سے برکت حاصل کرتا ہوں اور روزانہ ان کی قبر پر زیارت کے لیے آتا ہوں۔ جب مجھے کوئی ضرورت اور مشکل پیش آتی ہے تو دو رکعت نماز پڑھ کر ان کی قبر پر آتا ہوں اور اس کے پاس (کھڑے ہوکر) حاجت برآری کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں۔ پس میں وہاں سے نہیں ہٹتا یہاں تک کہ (قبر کی برکت کے سبب) میری حاجت پوری ہوچکی ہوتی ہے۔‘‘

(۲) امام علی رضا بن موسیٰ کی قبر سے تبرک

مشہور محدّث امام ابنِ حبان (م ۳۵۴ھ) حضرت امام علی رضا بن موسیٰ کے مزار مبارک کے بارے میں اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قد زرته مرارًا کثيرة، وما حلّت بي شدّة في وقت مقامي بطوس، وزرت قبر علي بن موسى الرضا صلوات الله على جده وعليه، ودعوت الله تعالىٰ إزالتها عنّي إلا استجيب لي، وزالت عنّي تلک الشدّة وهذا شئ جرّبته مراراً فوجدته کذلک، أماتنا الله على محبة المصطفى وأهل بيته صلى الله وسلم عليه وعليهم أجمعين۔[2]

(۱) ۱۔ خطيب بغدادی، تاريخ بغداد، ۱: ۱۲۳
۲۔ابن حجر هيتمی، الخيرات الحسان فی مناقب الإمام الأعظم: ۹۴
۳۔ابن عابدين شامی، رد المحتار على الدر المختار، ۱: ۴۱
۴۔ زاهد کوثری، مقالات: ۳۸۱

(۲) ابن أبي حاتم رازی، کتاب الثقات، ۸: ۴۵۷، رقم: ۱۴۴۱۱

’’میں نے اُن کے مزار کی کئی مرتبہ زیارت کی ہے، شرطوس قیام کے دوران جب بھی مجھے کوئی مشکل پیش آئی اور حضرت امام موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک پر حاضری دے کر، اللہ تعالیٰ سے وہ مشکل دور کرنے کی دعا کی تو وہ دعا ضرور قبول ہوئی، اور مشکل دور ہوگئی۔ یہ ایسی حقیقت ہے جسے میں نے بارہا آزمایا تو اسی طرح پایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور نبی اکرم اور آپ کے اہلِ بیت صلی اللہ وسلم علیہ وعلیہم اجمعین کی محبت پر موت نصیب فرمائے۔‘‘

(۳) سید المحدّثین امام بخاریؒ کی قبر سے تبرک

امام ذہبی (م ۷۴۸ھ) نے امیر المؤمنین فی الحدیث اور سید المحدّثین امام محمد بن اسماعیل بخاری (م ۲۵۶ھ) کی قبر مبارک سے تبرک کا ایک واقعہ درج کیا ہے:

ابو الفتح نصر بن حسن السکتی سمرقندی نے بیان کیا کہ ایک بار سمرقند میں کچھ سالوں سے بارش نہ ہوئی تو لوگوں کو تشویش لاحق ہوئی پس انہوں نے کئی بار نمازِ استسقاء ادا کی لیکن بارش نہ ہوئی۔ اسی اثناء اُن کے پاس ایک صالح شخص جو ’’صلاح‘‘ کے نام سے معروف تھا، سمرقند کے قاضی کے پاس گیا اور اس سے کہا: میں آپ سے اپنی ایک رائے کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔ قاضی نے کہا: وہ کیا ہے؟ اس نے کہا:

أری أن تخرج ویخرج الناس معک إلی قبر الإمام محمد بن إسماعیل البخاري، وقبره بخرتنک، ونستسقي عنده فعسی الله أن یسقینا. قال: فقال القاضي: نعم، ما رأیت. فخرج القاضي والناس معه، واستسقی القاضي بالناس، وبکی الناس عند القبر وتشفعوا بصاحبه. فأرسل الله تعالی السماء بماء عظیم غزیر، أقام الناس من أجله بخرتنک سبعة أیام أو نحوها لا یستطیع أحد الوصول إلی سمرقند من کثرة المطر وغزارته، وبین خرتنک

وسمرقند نحو ثلاثة أميال۔[1]

’’میری رائے ہے کہ آپ کو اور آپ کے ساتھ تمام لوگوں کو امام محمد بن اسماعیل بخاری کی قبر مبارک پر حاضری دینی چاہیے، ان کی قبر خرتنک میں واقع ہے، ہمیں قبر کے پاس جا کر بارش طلب کرنی چاہیے عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بارش سے سیراب کردے۔ قاضی نے کہا: آپ کی رائے بہت اچھی ہے۔ پس قاضی اور اس کے ساتھ تمام لوگ وہاں جانے کے لئے نکل کھڑے ہوئے، قاضی نے لوگوں کے ساتھ مل کر بارش کے لئے دعا کی، لوگ قبر کے پاس رونے لگے اور اللہ تعالیٰ کے حضور صاحبِ قبر کی سفارش کرنے لگے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی وقت (اپنے صالح بندہ کی برکت کے سبب) وافر پانی کے ساتھ بادلوں کو بھیج دیا، تمام لوگ تقریباً سات دن تک خرتنک میں رکے رہے، اُن میں سے کسی ایک میں بھی کثیر بارش کی وجہ سے سمرقند پہنچنے کی ہمت نہ تھی حالانکہ خرتنک اور سمرقند کے درمیان تین میل کا فاصلہ تھا۔‘‘

۶۔ قبورِ اولیاء اور صالحین سے تبرک پر ائمہ کے اقوال

قبورِ صالحین سے تبرک کو اطراف واکناف کے علماء کی طرف سے جواز کی سند حاصل ہے۔ اس پر چند ائمہ کرام کے درج ذیل اقوال ہیں۔

۱۔ حجۃ الاسلام امام ابوحامد محمد غزالی (م ۵۰۵ھ) إحياء علوم الدين میں آداب السفر کے ضمن میں فرماتے ہیں:

ويدخل في جملته زيارة قبور الأنبياء عليهم السلام، وزيارة قبور الصحابة والتابعين وسائر العلماء والأولياء، وكل من يتبرک بمشاهدته في حياته يتبرک بزيارته بعد وفاته۔[2]

(۱) ذہبی، سیر أعلام النبلاء، ۱۲: ۴۶۹

(۲) غزالی، إحياء علوم الدين، ۲: ۲۴۷

’’سفر کی دوسری قسم میں انبیاء کرام علیہم السلام، صحابہ، تابعین اور دیگر علماء و اولیاء کے مزارات کی زیارت بھی داخل ہے۔ ہر وہ شخص کہ جس کی زندگی میں زیارت سے برکت حاصل کی جاسکتی ہے، وفات کے بعد بھی اس کی زیارت سے برکت حاصل کی جاسکتی ہے۔‘‘

۲۔ امام ابن الحاج فاسی (م ۷۳۷ھ) نے اپنی کتاب المدخل میں مزاراتِ اولیاء سے برکت حاصل کرنے پر لکھا ہے:

وما زال النّاس من العلماء والأكابر كابرًا عن كابر مشرقاً ومغرباً يتبرّكون بزيارة قبورهم ويجدون بركة ذلك حسًا ومعنًى۔(۱)

’’مشرق و مغرب کے علماء اور اکابر مزاراتِ اولیاء کی زیارت سے برکت حاصل کرتے رہے ہیں اور حسی اور معنوی طور پر اس کی برکت پاتے رہے ہیں۔‘‘

۳۔ علامہ ابنِ عابدین شامیؒ زیارتِ قبور کے حوالے سے بحث کرتے ہوئے قبورِ اولیاء کے بارے میں لکھتے ہیں:

وأما الأولياء فإنهم متفاوتون في القرب من الله تعالىٰ، ونفع الزائرين بحسب معارفهم وأسرارهم۔(۲)

’’اولیاء کو اللہ رب العزت کے ہاں قربت کے لحاظ سے مختلف مقام حاصل ہوتے ہیں، (اس وجہ سے) زائرین کو (اُن کی قبور کی زیارت کے وقت) اُن کے معارف اور اسرار کے حسبِ حال نفع حاصل ہوتا ہے۔‘‘

کیمیا پیدا کن اَز مشتِ گلے
بوسہ زن بر آستانِ کاملے

---

(۱) ابن الحاج، المدخل، ۱: ۲۴۹

(۲) ابن عابدین، حاشیۃ رد المحتار علی الدر المختار، ۲: ۲۴۲

ہم نے گذشتہ فصول میں برکت اور تبرک کا صحیح تصور قرآن و حدیث اور ائمہ و محدثین کے اقوال و معمولات کی روشنی میں بیان کیا۔ جس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اللہ رب العزت کے فضل اور عطاء سے بعض ہستیاں، ان کے آثار اور مقامات فیض رساں اور بابرکت ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک اہلِ ایمان نہ صرف یہ کہ آثارِ انبیاء و اولیاء سے حصولِ برکت کو سعادت سمجھتے ہیں بلکہ کسی صالح بزرگ ہستی، متبرک مقام اور آثار سے حصولِ فیض اور برکت کے لئے دور دراز علاقوں کا سفر بھی اختیار کرتے رہے ہیں۔ جسے وہ منافی توحید نہیں سمجھتے تھے اور نہ کسی نے اس عملِ خیر کو شرک بدعت قرار دیا۔

معتبر کتب سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اولیاء عظام اور محدّثینِ کبار کی قبورِ مبارکہ پر حاضری دینا، زیارت کرنا اور اُن سے برکت حاصل کرنا عام مسلمانوں اور اکابرینِ امت کا طریقہ رہا ہے۔ جلیل القدر محدّثین، فقہاء اور صالحین اپنے زمانہ کے اور ما قبل زمانہ کے اکابر شیوخ و صوفیاء کی قبور پر حصولِ برکت کے لئے اور حلِ مشکلات کے لئے حاضر ہونے کو اپنی خوش بختی سمجھتے تھے۔ عامۃ الناس اور اکابر اِن بابرکت قبور کو مستجاب الدعاء ٹھہراتے تھے اور وہاں پہنچ کر اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اُن کی برکت کے سبب سے بارش، شفایابی اور دیگر مشکلات کا حل طلب کرتے تھے۔

سوچنے اور غور کرنے کی بات ہے کہ وہ ائمہ جو امت کے لئے اصولِ دین مرتب کرتے رہے ان کا اپنا عمل یہ تھا کہ وہ صالحین کی قبروں سے حصولِ برکت کو سعادت سمجھتے تھے۔ صاف ظاہر ہے اگر اس عمل میں ذرا بھر بھی شرک و بدعت کا شائبہ ہوتا تو وہ ہر گز اس پر کاربند نہ ہوتے۔

www.MinhajBooks.com